جلد اوّل

موجود

1990

میر احمد نوید

انتساب

سقراط
کے نام

میر احمد نوید

فہرست

01 ''مَیں'' ہے کیا تم کو بتانے آیا ہوں 18
02 فصل ہے جو تم سے تم تک وہ مٹا سکتا ہوں میں 19
03 خلق کر کے عقل کو ''کیوں'' اور ''کیا'' کیوں ہو گئے 20
04 تو کیا یہ ''کیوں'' نہیں ہوتا یہ ''کیا'' نہیں ہوتا 22
05 کہوں کیسے بنامِ عجز رمزِ لا الٰہ کیا ہے 23
06 ''کیوں'' سا رہتا ہے ''کیا'' سا رہتا ہے 24
07 خود سے ملتے نہیں اور ''لا'' کا سِرا ڈھونڈتے ہیں 25
08 ''کیوں'' کا کیا راز ''کیا'' کا کیا مقصد 26
09 صفر سے پہلے بھی ''لا'' ہے صفر کے بعد بھی ''لا'' 28
10 جس لمحے تجھے تیرا پتا مل گیا ہوگا 30
11 غافل! تجھے خود اپنا پتا ہے کہ نہیں ہے 31
12 جب عقل کی حد ''کیوں'' ہی نہیں ''کیا'' ہی نہیں ہے 32
13 جب ابتدا بھی ''کیا'' ہے یہاں انتہا بھی ''کیا'' 34
14 ''مَیں'' کو ''تُو'' قطرے کو یم نے کو نوا ہونے سے کام 35
15 گھٹن سے سانس خزاں سے بہار کھینچتے ہیں 36
16 ہر جبر و اختیار سے آگے نکل گئے 38
17 موجود کے سوال سے آگے نہ جا سکے 40
18 فہم و خیالِ ہستیِ اشیا کچھ اور ہے 41
19 کیا شمعِ یقیں دودِ گماں بھی نہ رہے گا 43
20 اِسی زماں سے اِسی مکاں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں 45

21 جواب جس کا نہیں وہ سوال آدمی ہوں 47
22 اک عالمِ سکوت و صدا ہے مرا وجود 49
23 دے کے مجھ کو مئے عام نہ ٹال اے ساقی 51
24 بجائے عقل ذرا دل سے کام لے ساقی 52
25 کیسی حرکت مادّہ کیسا کہاں کی کائنات 53
26 ملّتیں دست و گریباں ہیں کراں تا بہ کراں 54
27 ستارہ ساز ہوئی جب سے گردشِ افلاک 55
28 نئی ہے فکر نیا اہتمام پیدا کر 56
29 لوحِ جہاں پہ نقش کیے اپنے تجربات 57
30 آئنہ دے گیا آخر یہ خبر عشق بھی میں حُسن بھی مَیں 59
31 خود ہی ہادی ہوں خود ہدایت ہوں 60
32 قائم ہیں یہ زمین و زماں بر بنائے عشق 61
33 سیلِ جہاں میں خود کو ڈبونا بھی عشق ہے 62
34 معلولِ محض و بے رُخِ علّت کہیں جسے 63
35 ملبوس کوئی بھی نہیں قامت کے برابر 64
36 کہہ رہا ہے یہ جلال' کہہ رہا ہے یہ جمال 66
37 جو ہے سو ہے وہ جو عریاں نہیں ہے وہ بھی ہے 67
38 خود مجھ کو بھی خبر نہیں کیا چاہتا ہوں میں 68
39 کوئی حالت نہیں یہ کون سی حالت میں ہوں 69
40 ابھی نہیں ہوں سرِ آئنہ ابھی ہوں میں 70
41 جس کی حد وسعتِ امکاں ہے وہ حد بھی میں ہوں 71

42 کیا کہا جائے کیا لکھا جائے......................................72
43 کہاں سے آئی خزاں میں مگر نہ دیکھ سکا......................................73
44 مری تلاش میں تُو تیرے پاؤں پیچھے بہار 74
45 جواب کیا ہے یہ آخر سوال کیا شے ہے 75
46 تُو مردِ عشق انا الحق تری نوا سائیں 76
47 یقیں رکھوں میں کہاں پر گماں کہاں لے جاؤں 77
48 پے بہ پے لمحہ بہ لمحہ یہ تماشا کیا ہے 78
49 خدا نہیں کہ خدا ہے مجھے نہیں معلوم 79
50 اُٹھے تھے ''ہے'' سے جو زندہ مگر ''نہیں'' میں رہے 81
51 یہ خلا کی بے وجودی یہ وجودِ چشمِ حیراں......................................82
52 بے خودی ہے نہ خودی ہے تو یہ حالت کیا ہے 83
53 جس کی طلب میں عمر بسر ہو مگر نہ ہو......................................84
54 جو خود میں دیکھا ہے اب وہ جہاں میں دیکھنا ہے 86
55 خامشی کو پردۂ سازِ سخن کافی نہیں......................................87
56 چشمِ ہوش و چشمِ محو و چشمِ وا کافی نہیں 88
57 یہ بھی کیا سوچنا پردہ ہو کہ پردہ ہی نہ ہو 89
58 پردے میں وہم کے ہے حقیقت خدا گواہ......................................90
59 کچھ نہیں عزیٰ و ھُبَل لات و منات کچھ نہیں 92
60 مہر و مہ و انجم کا تماشا بھی نہ ہوتا......................................93
61 حیرتی ہوں چشم کے آگے دَھرا ہے آئینہ 95
62 سفر ہے یہ کہ نہیں ہے سفر نہیں معلوم 96

63 ہر نفس ''ہاں'' اور ''نہیں'' کے درمیاں میں بھی تو ہوں 97
64 جنوں خانے میں یہ ہونا نہ ہونا کون دیکھے گا............98
65 کچھ نظر آئے تو پھر کچھ نظر آتا ہی نہیں............99
66 بس دل ہی سمجھ سکتا ہے عالم مِرے دل کا 100
67 کہوں تو کیا جو بتاؤں تو کیا کہ یوں ہے جنوں 101
68 لوحِ محفوظ کا آہنگِ نوا بولتا ہے 102
69 میری ''مَیں'' کو ''تُو'' کا جو سودا سمایا............103
70 وحشت یہ کہہ رہی ہے کہ وحشت کو اب نہ رو 104
71 ہے فنا دہر کا مقدور بقا ہو کہ نہ ہو............105
72 موجود ہو وجود ہو کیجئے بجا ہے شک 106
73 کیا خوب کہ ہو سکتا ہوں یا ہو نہیں سکتا 107
74 بیٹھا یہ سوچتا ہے کیا وقت بہت گزر گیا 109
75 کیا کرو، کیا نہ کرو، وقت ہوا جاتا ہے............110
76 شے بہ شے لا بہ لا تحیّر ہے............111
77 سیر کو یا سفر کو جاتے ہیں 112
78 کیا خبر جی رہے ہیں مر رہے ہیں 114
79 مرحلے سنگ و سر کے دیکھ ذرا 116
80 ہجر میں کیا وصال میں کیا ہے 117
81 ہر اک بقا ہر ایک فنا سے گزر گیا............118
82 وجود ہُوں نہ میں موجود ہوں نہ میں ''لا'' ہوں............119
83 جس کا ''میں'' جزو ہے وہ کُل ہے انائے مطلق 120

84	کیوں ہم سے دیکھنے کا تقاضا کیا گیا	121
85	بس ایک ھا کی صدا ہے بس ایک ھُو کی صدا	122
86	نغمے کو موت آگئی نوحہ بھی مر گیا	123
87	میں حال میں نہیں ہوں میرے حال پر مت جا	124
88	مرکز ہوں یا مدار میں الجھا ہوا ہوں میں	125
89	نکل ہر ایک توّہم سے ہر گماں سے نکل	126
90	دل اگر بے سمت ہو قبلہ نما کچھ بھی نہیں	129
91	طے ہوا ''تُو'' سے ''مَیں'' تک کا یہ فاصلہ اے خدا الوداع	131
92	کوئی خبر کہ سلسلۂ دل کا کیا بنا	132
93	نے جزو کل، نہ قطرہ و دریا، نہ میں نہ تو	134
94	نہ نظّارہ، نہ حیرت چاہتا ہوں	135
95	ذات کے دام میں تھا، دام سے آزاد ہوا	136
96	رخصت ہوا جو 'کون'، تو 'کیوں' بھی چلا گیا	137
97	'لا' پہ پردہ پڑا ہے، 'کیا' چپ ہے	138
98	'کیا' ڈھونڈنے میں، 'لا' کا سوال آ گیا ہو گا	140
99	بنے گا کیا، کہ دل سے بے دلی بھی جا رہی ہے	141
100	دعائیں دیتے ہوئے اور سلام کرتے ہوئے	142
101	پڑا ہوں، مجھ سے کوئی کام زندگی کو نہیں	143
102	خود اپنی ذات کا تجھ کو پتا ملا کہ نہیں	144
103	اگر خاموش ہیں بُت آذری تو چل رہی ہے	145
104	خراب و خستہ و واماندگاں گزر رہے ہیں	146

105 مُستقل سوچتے رہنے کا بہانا ہے سوال 148

106 وہم پَر ہے مِرا ایماں نہ حقیقت پہ یقیں 149

107 نہ سلسلہ ہے مِرا اور نہ کوئی گدّی ہے 150

108 دکھائی کیسی حقیقت نے حال کی صورت 151

109 نہ ہے حقیقتِ وہم اور نہ ہے حقیقتِ خواب 152

110 آئینے میں کیا ڈھونڈیے حیرت سے زیادہ 153

111 نہ ''کیا'' نہ ''کیوں'' کہاں لے آئی بے خودی ہم کو 154

112 سائیں، باوا، میر صاحب، بادشاہ 155

113 نئے سرے سے اُٹھا پھر نیا وبال اِک اور 156

114 یوسفِ مصرِ عصر ہیں یعنی ہیں قدردانِ دل 157

115 وہ جو اُٹھے تھے خاک سے، خاک میں پھر وہ سو رہے 159

116 مطلب و مقصدِ نگاہ خاک بلا ہی کیوں نہ ہو 161

117 بیٹھا یہ سوچتا ہے کیا، وقت بہت گزر گیا 162

118 یہی عشق کا ہے اوّل یہی عشق کا ہے آخر 163

119 مجھی سے رازِ حقیقت مجازِ راز بھی میں 164

120 جنوں کی خیر منا اے جنونِ بے بنیاد 165

121 لغزشِ دم قدمِ مست ہے اور کچھ بھی نہیں 166

122 ہے اگر یہ کوئی گستاخی تو گستاخی معاف 167

123 دورانیۂ گل پسِ گل کم ہی تو دیکھا 168

124 حیرت میں رہ کہ عرصۂ نظّارہ تنگ ہے 169

125 قدم کے ساتھ عجب اِک قدم لگا ہے میاں 170

موجود

126 ایک سایہ جو کئی دن سے مری تاک میں ہے............171
127 کیا خُوب کہ ہوسکتا ہوں یا ہو نہیں سکتا............172
128 ڈھونڈ و سخن میں ہوں کہ سخن میں نہیں ہوں میں............174
129 دنیا میں آئے دھول میں اَٹ کے چلے گئے............175
130 شمعِ فنا کو مژدۂ صبحِ بقا سے کیا............176
131 جب آنکھ کھلی قطرے میں دریا نظر آیا............177
132 عشق سے حسن جھلکتا نظر آتا ہے مجھے............179
133 پردۂ محمل اُٹھے تو رازِ ویرانہ کُھلے............181
134 وحشتِ عشق کا ساماں نہ ہوا تھا سو ہُوا............183
135 اپنی کسی خلوت ہی میں سوچا ہوا دیکھا............184
136 ہم جہاں ہیں وہاں عالم کو دِگر کیوں نہ کہیں............185
137 وا چشم کر کہ فرصتِ دیدار پھر نہیں............186
138 شمعِ خلوت نہ بنا درخورِ محفل نہ ہوا............188
139 ہُوا تصویر جب سے خود کو عریاں کر لیا میں نے............189
140 کب جزو میں گُل آخر یکجا نہ ہوا ہوگا............191
141 صدا سے تیز تغیّر کی چال ہے کہ نہیں............192
142 اِس طرح دھڑکتا ہے کوئی دل مرے دل میں............193
143 سب کا حق لے کے بھی محروم نظر آتا ہے............194
144 رفتار کی تیزی سے جل جائے نہ شام اے دل............195
145 عجب ہے خاک کا پردہ کہ ہم اُٹھا نہ سکے............196
146 کسی پہلو بھی نہ دی جا مجھے دلدار کے پاس............198

147 لائے جو تابِ دل جگرا ایسے کہاں کے تھے 200
148 انتہا کوئی نہیں ہے ابتدا ہونے کے بعد 202
149 سر اپنا خون کرنے کی عادت نہیں گئی 203
150 کسے حریفِ خزاں و بہار کہیے گا 204
151 پلکوں پہ گردِ عمر تماشا لیے ہوئے 205
152 کب دماغِ دل نہ تھا کب حسن سے یاری نہ تھی 206
153 تیزی نہ رہی خوں میں کہ اب دل نہ رہا وہ 208
154 دن کو ناکارہ و بے تاب پھرے، کون ہے یہ 209
155 چہرے کے ساتھ زرد ہوئی رہگزار تک 210
156 یونہی بے سود اہی جینا ہے تو سَر کا کیا کروں 212
157 وحشت دیے کی لَو سے منہ اپنا مل رہی ہے 213
158 شاخ بے رنگ ہی رہتی ہے ثمر آنے تک 215
159 وہ سر کو لہو کرنے کی حسرت کو ہوا کیا 216
160 یوں نہ خود کو سرِ آئینہ تماشا کرتا 217
161 کیوں مگر حد سے گزرنے کا تقاضا نہ کرے 219
162 باخبر بے خبری کو ہی خبر جانتے ہیں 220
163 آئینے گرد ہو گئے حیرت ہی رہ گئی 221
164 کسی بھی طرح ہوا دن کی شام کر کے چلے 222
165 یہ کیا مقام ہے جیسا جو تھا جہاں نہ رہا 224
166 تیشہ بر دوش وخستہ تن آیا 226
167 مجھ کو تو ہے فقط مجھ ہی سے کام 227

168 کہاں سے لایئے دل اہتمام کرنے کو 228
169 اِسی پہ اپنے روز وشب کا اختتام کرلیا 229
170 کیا کریں اِک عمر سے دل کا کہا کرتے نہیں 230
171 رو بہ رو تیرے یہ ابرو نہیں بدلا میں نے 231
172 رفتگاں کی بات چل نکلے تو پھر کیا صبح وشام 232
173 یہ بھی کیا سوچنا پردہ ہو کہ پردہ ہی نہ ہو 233
174 اے حسنِ طلب دل ترا خوں ہو گیا آخر 234
175 اُٹھا جو زخم رفو کر کے تیرا دستِ رفو 235
176 اے سرائے تِرا دیا ہوں میں 236
177 عہدِ سکوت شورِ سلاسل کہیں سے لا 238
178 بے بسر کی طرح سے خود کو بسر کرتے ہوئے 239
179 آئینۂ خلوت میں سنورتا اُسے دیکھا 240
180 اور رکھنے کو تو ہم دہر میں کیا رکھتے ہیں 241
181 خاکِ نمو بھی آبِ نمو بھی وہیں کا ہے 242
182 بڑھتی ہی جا رہی ہے یہ وحشت کہیں چلو 244
183 سوچا جو سفرِ رختِ سفر چل کے خود آیا 245
184 بتا ہمیں دلِ نادان کیا ہوا ہے ہمیں 246
185 ہم پہ کھلا نہ کوئی در صبح سے شام ہوگئی 247
186 سب سے الگ جو طرزِ بیاں لے کے آئے ہیں 248
187 لہو بدلتے ہوئے استخواں بدلتے ہوئے 249
188 ہے کون سا کہ جو ہم پر ستم کیا نہ گیا 250
189 جہانِ کوزہ گراں میں بلا سے آئے کوئی 251

190 خلقت میں جب اِک نطفے سے ہیں روشن و تاریک..............252
191 جو ابر ہے تو برس خاکِ بے نمو پہ نہ جا..................253
192 ہم تو اِک عشق میں ہر کام بھلائے ہوئے ہیں 254
193 ہوئے زمانہ ہُوا بزمِ ہاؤ ہو برہم 255
194 ترے جلالِ تکلّم کے آگے کیا کہوں میں 256
195 جب دل کی کہی بات کا خوں ہو گیا ہو گا 257
196 تجھ کو اے دل خبر، بے خبری ہو گئی کیا؟ 258
197 بقا کی کھوج میں سرِّ فنا بھی کھو دیا ہم نے 259
198 میرا قاتل سُن کے میری آہ سنّاٹے میں ہے......................260
199 آئینے پر جمی ہوئی حیرت کو دیکھنا 261
200 یہ سوچ بننا ہے کیا تجھ کو کیا بنا ہوا ہے 262
201 کچھ کہو اور نہ کچھ سنو صاحب 264
202 زندگی سے جو تنگ آتا ہوں.................................265
203 عقل و نگاہ و دل کا تقاضا بدل گیا 266
204 حیرت کے دن گزر گئے وحشت بھی ہو چکی 267
205 ہر طرف سے اٹھا لیا ہے دل 268
206 اے دل حقیقتِ پسِ پردہ تلاش کر...........................269
207 مانگتا ہُوں خدا سے خدا کی پناہ..............................270
208 رنگ دینے کو رنگ اُجاڑ دیے...............................271
209 کب کسی دل کو دُکھاتا ہُوں مَیں پاگل پن میں 272
210 کیوں سوچوں خُدا ''ہے'' خُدا ''نہیں'' ہے....................274
211 خموش سا کہیں کھویا ہُوا سا رہتا ہے 276

212 کون تھا مجھ کو جو احساس دِلاتا، کہ مَیں ہُوں 277
213 خود سے گُزرے تو قیامت سے گزر جائیں گے ہم........................278
214 نہ ہوتے حال سے بے حال، حالت سے گُزر جاتے 279
215 مجھے تو سوچ کر یہ بات وحشت ہو رہی ہے 280
216 ہے وہاں صرف ایک ''ھُو'' کو ثبات 281
217 اُلٹا، سیدھا، کہا، سُنا، ''لیکن'' 282
218 آ دیکھ اے شکارِ طلسمِ نبود و بود 284
219 مگر ہے کیا یہ اگر سے گُزر گئے تو کھُلا 285
220 آپ کا انتظار کر رہے ہیں 286
221 ہر نفس محنت کے عادی ہو گئے 288
222 ''ہے'' اور ''نہیں'' کا آئینہ مُجھ کو تھما دیا گیا........................290
223 وائے بے نسبتی، نسبت بھی اُسی سے ہے مجھے 291
224 برائے سحر یہ سارا جہاں پڑا ہُوا ہے........................293
225 ناتمام و تمام ہے ہی نہیں 294
226 رزقِ ہستی حلال تو کیجیے 296
227 نہ مَرا جاتا ہے مجھ سے نہ جیا جاتا ہے........................298
228 کسی دھندلائی ہوئی شام سے نکلا ہُوا ہُوں........................300
229 درمیاں پردہ خدا کا تھا، اٹھایا عشق نے 301
230 جاری ہے آگہی کا سفر ''مَیں'' سے ''ھُو'' تلک 302
231 جہاں میں غُلغُلہء علم و آگہی تو ہُوا........................303
232 بھید اُس کا مصوّر کوئی پا ہی نہیں سکتا 304
233 دل سے ہر واہمہ گزار دیا........................306

234 سوچیے مت یہ تماشا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے 307
235 آپ ہر حال کی حالت سے گُزر کیوں نہ گئے 309
236 کسی ہَوا میں نہ آنا کہیں نہیں جانا 311
237 جنوں ہے یا کوئی سودا تجھے ہُوا کیا ہے 312
238 دے کے سر مَیں نے کسی پر کہاں احسان کیا 313
239 خود سے اکتائے ہُوئے کیسے جیا کرتے ہیں 314
240 کیا ہمیں سُوجھی کہ ہم نے عقل کو دل کر لیا 316
241 راہ میں دل ہار جانا اور ہے 317
242 کر کے خود اپنی آڑ بیٹھ گئے 319
243 افلاک کی تنہائی بھُلانے چلے آئے 320
244 موت کی تفہیم کو کب آگہی سمجھا گیا 321
245 یہ ہو رہے ہیں جو بے حال اپنے حال سے ہم 323
246 اپنا مزاق دل کو اُڑانے نہیں دیا 325
247 رنگوں کو برہنہ کروں تصویر بنا دوں 326
248 ہُوں ابھی ''کون'' اور ''کیا'' ہُوں ابھی 327
249 نیا زمانہ آنا ہے دُنیا کو آگے جانا ہے 328
250 پاس کب آ رہا ہے دل میرا 329
251 نا رَسی کے سوال میں گُم ہے 331
252 رویا کیوں جائے ہنسا کیوں جائے 333
253 کس طرح مَرتے ہیں جب اہلِ جنوں مَرتے ہیں 335
254 کچھ تو رہتا ہے نہیں عِلم کہ کیا رہتا ہے 336
255 مان لیتا ہُوں جو کرتا ہے خُدا کرتا ہے 337

256 جی کے کیا کرتا کیا نہ کرتا مَیں 338
257 زندہ سا کر دیا کبھی مُردہ سا کر دیا 339
258 وہ جو خود سے گزر نہیں سکتا 340
259 زندگانی تباہ خود کی ہے 341
260 کرم ہُوا تو ستم مجھ کو یاد آنے لگے 342
261 سوچتا ہُوں کہ میں اِس دُنیا میں آیا کیوں ہُوں 343
262 چین کی شکل کب دکھاتا ہے 344
263 زباں نہ کھول ترا دل اگر دُکھا ہُوا ہے 346
264 چہرے سے اگر ہو کر آئینہ گُزر جائے 347
265 ریاضت کو عبادت سے بدل کر جا رہا ہُوں میں 348
266 ہم اہلِ جنوں ہمراہ ترے کچھ وقت بتانا چاہیے ہیں 350
267 ''کُن'' کا ہر راز فقط خاک نشیں جانتا ہے 352
268 خبر کب تھی سُلجھنے کے لیے اُلجھایا جاؤں گا 354
269 تُمھارے عشق نے دل کا وہ حال کر دیا ہے 356
270 خلش سے ہی سہی دل کو مگر آباد کر لوں مَیں 357
271 ''کیوں'' ہو چُکے خیال میں ہم ''کیا'' تو ہو چُکے 359
272 مجنوں کو جنوں میں جہاں لیلیٰ کی پڑی ہے 360
273 آخرش خود کو اِسی وعدے پہ یکجا کیا ہے 361
274 وہم نے جس جگہ امکان کا پردہ کیا ہے 362
275 ہم ہیں درویش ہمیں اور تو کیا کرنا ہے 364
276 جواب جس کا نہیں ہے ہم وہ سوال کرنے کو آ گئے ہیں 365
277 دیں کا ہے زخم اور نہ دُنیا کا زخم ہے 367

278 ہم نے کرنے کو خیر کیا نہ کِیا 368
279 ”مَیں“ میں رہنا کسی لمحہ نہ تو ”تُو“ میں رہنا 370
280 ہے کون دَیر، کون حرم، کُچھ نہیں بچا 372
281 کُچھ کہو اور نہ کُچھ سنُو صاحب 373
282 خود ہی کو قتیل کر لیا خود ہی کو قال کر لیا 375
283 جنوں کو اِذنِ بیانِ جنوں مِلے تو سہی 376
284 ہے کیا جو حاصلِ عُمرِ رواں سناؤں مَیں 378
285 نہ ”میں“ ہے نہ ”تُو“ ہے 380
286 کدھر جانا ہے ہم کو اور کدھر سے جا رہے ہیں ہم 381
287 اپنے اندر آ گاہی کا درد چھُپا کر روتا ہُوں 382
288 جس کو اپنا پتا نہیں ملتا 383
289 تو کیا یہ سر نہیں پھوڑو گلا نہ کٹواؤ 385
290 بکھیر دیتی حیات اور بکھر ہی جاتا میں 386
291 بس یہی ایک کام کرتے ہیں 387

شروع کرتا ہوں محمدؐ کے بابرکت نام سے
جو احمد سے محمدؐ ہوا پھر محمدؐ سے مقامِ محمود پر فائز ہوا

یہ مَیں نے مانا صحیفے ہزار اُترے ہیں
مِری بغل میں جو ہے وہ کتاب ہے کچھ اور

میر احمد نویدؔ

☆

"مَیں" ہے کیا تم کو بتانے آیا ہُوں
مَیں تمھیں تم سے مِلانے آیا ہُوں

پائی ہے جس کے لئے تم نے یہ آنکھ
مَیں وہی جلوہ دِکھانے آیا ہُوں

پائے ہیں جس کے لئے تم نے یہ کان
مَیں وہی نغمہ سنانے آیا ہُوں

پائے ہیں جس کے لئے تم نے حواس
مَیں اُسی حِس کو جگانے آیا ہُوں

پائے ہیں جس کے لئے تم نے یہ پاؤں
مَیں اُسی رہ پر چلانے آیا ہُوں

جس زمیں میں تُم نے دوزخ بوئی ہے
مَیں وہیں جنت اُگانے آیا ہُوں

☆

فصل ہے جو تم سے تم تک وہ مٹا سکتا ہوں میں
ملنا چاہو تو تمہیں تم سے ملا سکتا ہوں میں

تم جو ملنے کو خدا سے اس قدر بے تاب ہو
تم کو ایک آئینۂ خود بیں تھما سکتا ہوں میں

تم خود اپنے سامنے گر لا سکو خود اپنی تاب
درمیاں میں ہے جو پردہ وہ اٹھا سکتا ہوں میں

وہ جو ہے مجموعہ ہائے ماضی و فردا و حال
تم نے جو چکھی نہ ہو وہ مَے پلا سکتا ہوں میں

جبر کی دُنیا میں میرا یہ عجب ہے اختیار
روشنی میں ہر اندھیرے کو چُھپا سکتا ہوں میں

کر رہا ہے جو مسافر خود سے خود تک کا سفر
اک دیا تو راہ میں اُس کی جلا سکتا ہوں میں

☆

خلق کر کے عقل کو ''کیوں'' اور ''کیا'' کیوں ہو گئے
یہ مجھے بندہ بنا کر تم خدا کیوں ہو گئے

تھا تڑپنا دیکھنا یا مرہم افزائی کا شوق
درد کیوں پیدا کیا اور پھر دوا کیوں ہو گئے

نعمتِ دنیا و دیں کیا یہ بھی ہے کوئی مزا
سب مزے اک ایک کر کے بے مزا کیوں ہو گئے

کیا پڑی افتاد آخر کہتے سنتے ماجرا
کہتے سنتے ماجرا بے ماجرا کیوں ہو گئے

کس کو سمجھائیں بر آیا بر نہ آیا مُدّعا
ہوگئے بے مُدّعا بے مدّعا کیوں ہوگئے

تجھ سے کب اُن کا بدل پورا ہو جو ہیں زیرِ خاک
اے شگفتِ گُل بتا بھی وہ فنا کیوں ہوگئے

کیا بہ طرزِ عشق کوئی مسئلہ رکھتے ہیں آپ
چلئے مانا ہوگئے شاعر بھلا کیوں ہوگئے

☆

تو کیا یہ "کیوں" نہیں ہوتا یہ "کیا" نہیں ہوتا
اگر نہ ہوتی خودی کیا خدا نہیں ہوتا

اگر یہ ساری حقیقت ہے "لا" میں پوشیدہ
تو کیا "الہٰ" نہ ہوتا جو "لا" نہیں ہوتا

سوائے وہم حقیقت میں کچھ نہ ہوتا "تُو"
جو درمیان میں "مَیں" کا سِرا نہیں ہوتا

کسی بھی جزو میں گر "کُل" نہ ہوتا پوشیدہ
کسی بھی قطرے میں دریا چھپا نہیں ہوتا

خدا وہ ہے کہ محمدؐ جسے خدا کہہ دے
وہ جس کو عقل تراشے خدا نہیں ہوتا

☆

کہوں کیسے بنامِ عجز رمزِ لا الٰہ کیا ہے
نہیں کھلتا الٰہ کے ساتھ یہ الحاقِ ''لا'' کیا ہے

فقط ''لا'' کے اضافے سے ہے گر محدود لا محدود
تو لامحدود بھی محدود ہے اِس کے سوا کیا ہے

کُھلے جاتے ہیں ''کیوں'' اور ''کیا'' سے دل پر بھید اشیا کے
نہیں کُھلتا مگر دل پر یہ ''کیوں'' کیا ہے یہ ''کیا'' کیا ہے

کہاں پہنچے گا اے دل درد کی عمرِ تحیّر کو
تجھے یہ فکر ہے اِس درد کی آخر دوا کیا ہے

یہ تنہائی یہ میرا دل یہ میرا آئینہ خانہ
یہاں ''تم'' بھی اگر ''میں'' ہُوں تو پھر یہ دوسرا کیا ہے

☆

''کیوں'' سا رہتا ہے ''کیا'' سا رہتا ہے
دل جو کھویا ہُوا سا رہتا ہے

ایک سناٹے کا سینے میں
بھاگنا دوڑنا سا رہتا ہے

صُبح کا دل کہیں نہیں لگتا
شام کا دم گُھٹا سا رہتا ہے

میں کہیں آؤں میں کہیں جاؤں
وقت جیسے رُکا سا رہتا ہے

دل کے آنے کا دل کے جانے کا
ایک دھڑکا لگا سا رہتا ہے

اے خلش بول کیا یہی ہے خُدا
یہ جو دل میں خلا سا رہتا ہے

☆

خود سے ملتے نہیں اور ''لا'' کا سِرا ڈھونڈتے ہیں
جنہیں انساں نہیں مِلتا وہ خدا ڈھونڈتے ہیں

آپ کو زندگی و موت سے کیا لینا ہے
جنہیں ''کیوں'' چاہیے ہوتا ہے وہ ''کیا'' ڈھونڈتے ہیں

روئیے ہنسیے پسِ نوحہ و نغمہ صاحب
کیا تماشے میں تماشے سے سِوا ڈھونڈتے ہیں

زندگی تیرے عناصر ہی نہیں سرگرداں
ہم بھی اِس شور میں گُم اپنی صدا ڈھونڈتے ہیں

دل میں اپنے جو کوئی بات نئی آتی ہے
ہم بھی پیرایۂ اظہار نیا ڈھونڈتے ہیں

☆

''کیوں'' کا کیا راز ''کیا'' کا کیا مقصد
اے خودی معنی اے خدا مقصد

عمر بھر خاک چھانتا ہی رہا
در بہ در ڈھونڈتا رہا مقصد

رازِ ہستی ہے کس میں پوشیدہ
درد مقصد ہے یا دوا مقصد

مجھ پہ مقصد کھلا تو مجھ پہ کھلا
میرے اندر ہی ہے مرا مقصد

ہے ہرِ اک ''مَیں'' کے واسطے اک ''تُو''
ہے ہرِ اک ''مَیں'' کا اک جُدا مقصد

زندگی بھر تو ہاتھ کیا آیا
موت آئی تو پھر مِلا مقصد

موت کو بے حجاب کیوں نہ کرے
زندگی کا ہے اور کیا مقصد

☆

صفر سے پہلے بھی ''لا'' ہے صفر کے بعد بھی ''لا''
کُھلا تو بس یہ کُھلا ہے کہ کچھ نہیں ہے کُھلا

یہ مانا بیچ میں نقطہ ہے حاضر و غائب
الف سے پہلے ہے کیا اور یے کے بعد ہے کیا

تمام معنی و حرف و عدد ہیں لا یعنی
لکھا ہوا ہے تو کیا اور مٹا ہوا ہے تو کیا

یہی کہ دائرہ در دائرہ سیاہ سیاہ
خلا سے پہلے خلا ہے خلا کے بعد خلا

اُلٹ کے دیکھا یہ ''کیا'' اور پلٹ کے دیکھا یہ ''کیوں''
مِلا تو پھر وہی ''کیوں'' اور مِلا تو پھر وہی ''کیا''

بتا یہ کس کی ہے ''مَیں'' اور بتا یہ کس کی ہے ''تُو''
یہ کون کس سے ہے ظاہر یہ کون کس میں چھپا

ازل ابد میں نہ پڑ کر لے خود کو گُم یعنی
نہ ابتدا کا سرا ہے نہ انتہا کا سرا

اِسی تلاش میں پوشیدہ تھی مری تکمیل
میں خود کو پاتا رہا ڈھونڈتا رہا میں خدا

پھر اُٹھ کے دوڑ لگا ماء و تُو کے بیچ نویدؔ
نہ تجھ کو ''ھَا'' کی خبر ہے نہ تجھ کو ''ھُو'' کا پتا

☆

جس لمحے تجھے تیرا پتا مِل گیا ہوگا
''کیوں'' مل گیا ہوگا تجھے ''کیا'' مِل گیا ہوگا

دی ہوگی خبر تجھ کو تری بے خبری نے
گم ہو گیا ہوگا تو سِرا مِل گیا ہوگا

جب مل گیا ہوگا سببِ کہنگیٔ دہر
آنکھوں کو تِری خواب نیا مِل گیا ہوگا

ڈھونڈے سے تجھے کچھ تو مِلا ہوگا مِری جان
مَیں یہ نہیں کہتا کہ خدا مِل گیا ہوگا

اِس ڈھونڈ میں کچھ تجھ کو مِلا ہو نہ مِلا ہو
لیکن تجھے جینے کا مزا مِل گیا ہوگا

☆

غافل! تجھے خود اپنا پتا ہے کہ نہیں ہے
کیا ڈھونڈنے نکلا ہے خُدا ہے کہ نہیں ہے

کچھ ہو کہ نہ ہو دہر کی بنیاد میں لیکن
"کیوں" ہے کہ نہیں ہے کہو "کیا" ہے کہ نہیں ہے

اوّل ہو کہ آخر ہو وہ مثبت ہو کہ منفی
بنیاد میں ہر صفر کی "لا" ہے کہ نہیں ہے

اِس بیچ سے اٹھ جائے اگر دل کا دھڑکنا
خاموشی ہی پھر کُن کی بنا ہے کہ نہیں ہے

"ہے" سے بھی نکل جا تُو "نہیں" سے بھی نکل جا
پھر تیری بلا سے تجھے کیا "ہے کہ نہیں ہے"

☆

جب عقل کی حد ''کیوں'' ہی نہیں ''کیا'' ہی نہیں ہے
کیا سوچنا ہے ہم نے یہ سوچا ہی نہیں ہے

تم عشق کا خچّر کہ گدھا عقل کا لاؤ
ہم مست ہیں ہم کو کہیں جانا ہی نہیں ہے

تم جاؤ، تماشا بنو، تم دیکھو تماشا
رونا ہی نہیں ہم کو تو ہنسنا ہی نہیں ہے

تم جاؤ، کسی راہ لگو ہم سے نہ پوچھو
ہم نے تو یہ جانا ہے کہ جانا ہی نہیں ہے

حیرت سے جو نکلیں تو یہ معلوم ہو ہم کو
کچھ دیکھا ہے یا کچھ ابھی دیکھا ہی نہیں ہے

حیرت ہی ملی دید کو حیرت سے نکل کر
یہ جلوہ ہے یا پردہ ہے کُھلتا ہی نہیں ہے

نظّارہ تو کر جلوہ گہہِ کثرت و وحدت
ارزاں ہی نہیں ہے وہ جو عنقا ہی نہیں ہے

ہر اک کے لئے میں تو جُدا ہوگیا خود سے
میری طرح مجھ سے کوئی مِلتا ہی نہیں ہے

وہ مرتے ہیں اِس طرح جیے ہی نہ تھے جیسے
اور جیتے ہیں اِس طرح کہ مرنا ہی نہیں ہے

مسجود کو خود اپنا جو ساجد نہ بنالے
سُن اے میرے سجّاد وہ سجدہ ہی نہیں ہے

☆

جب ابتدا بھی ''کیا'' ہے یہاں انتہا بھی ''کیا''
ادراک میں کسی کے پھر آئے خدا بھی کیا

کیوں دم نہ دے کہ وسعتِ امکاں کے دشت میں
دل کو بجز سرابِ تمنا مِلا بھی کیا

میں بے نشانِ وقت و زمانہ خراب و خوار
آیا بھی کیا، رہا بھی یہاں کیا، گیا بھی کیا

کوئی اگر نہ دیکھے تو کیا موند لیجے آنکھ
کوئی نہیں سُنے تو نہ کیجے صدا بھی کیا

مانا اِسے سُنانے میں تُو نے تو عُمر کی
اک آہ کا یہ قصّہ کسی نے سُنا بھی کیا

☆

''مَیں'' کو ''تُو'' قطرے کو یم نے کو نوا ہونے سے کام
ہر سوا کو ہے یہاں تو ما سوا ہونے سے کام

مَت سمجھ مجھ کو بہ قدرِ چشمِ وا اے چشمِ وا
ہے بہ قدرِ تاب مجھ کو رونما ہونے سے کام

فُرصتِ آئینہ بینی نے کیا پیدا یہ شوق
ورنہ صورت کو کہاں تھا آئنہ ہونے سے کام

بندگانِ عشق کی بے چارگی سے کیا غرض
حُسنِ بے پروا کو ہے اپنے خدا ہونے سے کام

جانتی ہے جب کہ اک دشتِ فنا ہے درمیاں
ابتدا کو کس لئے ہے انتہا ہونے سے کام

☆

گھٹن سے سانس خزاں سے بہار کھینچتے ہیں
ہمی ہیں جبر سے جو اختیار کھینچتے ہیں

ہمی ہیں وہ جو حقیقت کا وزن اٹھائے ہوئے
مہارِ ناقۂ لیل و نہار کھینچتے ہیں

ہمارے سانس سے چلتا ہے نظمِ باغِ جہاں
نسیم پھینکتے ہیں ہم غُبار کھینچتے ہیں

سکون کھینچتے ہیں دردِ اضطراب سے ہم
کہ بے قراری سے ہم تو قرار کھینچتے ہیں

نہ ہم خودی کے کسی دائرے میں آتے ہیں
نہ اپنے گِرد خدا کا حِصار کھینچتے ہیں

خدا کرے کہ نہ اُن پر کھُلے حقیقتِ وصل
وہ خوش نصیب ہیں جو انتظار کھینچتے ہیں

ہو مستِ نغمہ و نوحہ جہاں سماعتِ شہر
وہاں ہم آہ بہ شکلِ ہزار کھینچتے ہیں

☆

ہر جبر و اختیار سے آگے نکل گئے
اہلِ خزاں بہار سے آگے نکل گئے

وہ حُسن اپنی آئینہ بینی میں گُم رہا
ہم اپنے انتظار سے آگے نکل گئے

کچھ دن خود اپنی گونج سے بہلے اسیرِ ذات
پھر اپنی ہی پکار سے آگے نکل گئے

کچھ درد بھی ہمارا ہُوا دردِ لا دوا
کچھ زخم بھی شمار سے آگے نکل گئے

جامِ خودی سے پی کے مئے بے خودی یہ رند
ہر نشہ و خمار سے آگے نکل گئے

چھوڑ آئے پیچھے جانے کہاں ہوش اہلِ ہوش
دُھن یار کی تھی یار سے آگے نکل گئے

چپ کیا ہوئے وہ کوئے محبّت کے قصّہ گو
تفصیل و اختصار سے آگے نکل گئے

☆

موجود کے سوال سے آگے نہ جا سکے
ممکن تھے ہم محال سے آگے نہ جا سکے

اک وہ تِرے وصال کے بیٹھے ہیں دعویدار
اک ہم ترے خیال سے آگے نہ جا سکے

وہ بھی حصارِ حُسن سے باہر نہ آ سکا
ہم بھی حدِ مجال سے آگے نہ جا سکے

ہم ہجر میں وصال سے آگے نکل گئے
تم وصل میں وصال سے آگے نہ جا سکے

ایسی ہوئی ہے ہم میں زمانے کی ٹُوٹ پھُوٹ
ہم اپنی دیکھ بھال سے آگے نہ جا سکے

خوابِ عروج دیکھنے والے اسیرِ خواب
اِس عہد کے زوال سے آگے نہ جا سکے

☆

فہم و خیالِ ہستیِ اشیا کچھ اور ہے
دیکھا کچھ اور ہے نظر آیا کچھ اور ہے

صحرا نہیں کچھ اور ہے اپنے وجود میں
پانی نہیں ہے حالتِ دریا کچھ اور ہے

پوشیدہ گر ہے حرف کی صورت "نہیں" میں "ہے"
منظور اِس حجاب سے پردہ کچھ اور ہے

رنگِ سپید اصل میں کوئی نہیں ہے رنگ
جو میں سمجھ رہا ہوں وہ گویا کچھ اور ہے

دامانِ موج تھام نہ رکھیے تو مرگ ہے
اِس جا روانیِ یم و دریا کچھ اور ہے

نقشِ قدم بہ نقشِ قدم دل بہ نقشِ دل
یوسفؑ کی رَو میں خوابِ زلیخا کچھ اور ہے

مسجد ہے مدرسہ ہے نہ دیوارِ خانقاہ
مجھ پر جو پڑ رہا ہے وہ سایہ کچھ اور ہے

☆

کیا شمعِ یقیں دودِ گماں بھی نہ رہے گا
یعنی یہ زماں اور یہ مکاں بھی نہ رہے گا

یہ سُود کی گرمیِ دُکاں بھی نہ رہے گی
سودائی سودائے زیاں بھی نہ رہے گا

یہ سادگیِ خاک بسر بھی نہ رہے گی
پیچِ کُلہِ کج کلہاں بھی نہ رہے گا

کشکولِ گدا کی یہ صدا بھی نہ رہے گی
یہ دستِ عطایائے شہاں بھی نہ رہے گا

یہ تازگی و نرمیِ گُل بھی نہ رہے گی
یہ پنجۂ سختیِ خزاں بھی نہ رہے گا

واماندگیِ منزلِ گُم بھی نہ رہے گی
یہ ولولۂ شکِّ نشاں بھی نہ رہے گا

خاموشیِ فطرت کی یہ چُپ بھی نہ رہے گی
یہ دَم یہ مِرا زورِ بیاں بھی نہ رہے گا

☆

اِسی زماں سے اِسی مکاں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں
میں اک ''نہیں'' سے اور ایک ''ہاں'' سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں

زمیں کی چند اک خرابیاں بھی نویدِ تعمیرِ نَو بنی ہیں
ہلاکتِ ہفت آسماں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں

وہ نشّہ جس کی لبالبی سے مِرا پیالہ چھلک رہا ہے
اُسی کی مستیِ غیب داں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں

رواں دواں ہے یہ وقت پیہم رواں دواں ہیں یہ کہکشائیں
رواں دواں پر رواں دواں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں

کہ از ستارہ و تا ستارہ بس ایک گردش ہے بے کنارہ
اُٹھا کے کچھ راکھ درمیاں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں

میانِ اجزائے آب و گل اک ستارہ رکھا ہے کیمیا میں
سو کچھ یقیں سے سو کچھ گماں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں

مِرا ٹھہرنا بھی اک زمانہ مِرا گزرنا بھی اک زمانہ
ٹھہر کے جاں میں گزر کے جاں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں

جہاں تھی تہذیب اب نشاں ہے نشاں بگولوں کے درمیاں ہے
غُبار ہوتے ہوئے نشاں سے نیا زمانہ بنا رہا ہوں

☆

جواب جس کا نہیں وہ سوال آدمی ہُوں
مَیں خوابِ ماضی و فردا و حال آدمی ہُوں

کبھی پہنتا ہوں خود کو کبھی اُتارتا ہُوں
مَیں آپ اپنے لئے اک وبال آدمی ہُوں

مَیں اک خیال ہُوں کوئی ترے گمان میں کیا
مرا خیال ہے میں بے خیال آدمی ہُوں

مَیں آپ اپنی گرہ آپ اپنا ناخن میں
میانِ واجب و ممکن محال آدمی ہُوں

بہت خیال سے چھونا مجھے کہ میں صاحب
وجود رکھتا ہے جو وہ خیال آدمی ہُوں

نہ پوری طرح لطیف اور نہ پوری طرح کثیف
میں خود ہی آئنہ مَیں خود ہی بال آدمی ہُوں

نہ بچھڑا خود سے نہ خود سے ملا مگر پھر بھی
فراق آدمی ہوں مَیں وصال آدمی ہُوں

مَیں اپنے نقد پہ وہ قرضِ بے نہایت ہُوں
کہ خود میں جکڑا ہوا بال بال آدمی ہُوں

تم عندلیب ہو ناآفریدگاں کے نوید
مَیں آہ دشتِ سگاں میں غزال آدمی ہوں

☆

اک عالمِ سکوت و صدا ہے مِرا وجود
اپنے ہی بندِ ذات میں وا ہے مِرا وجود

وہ جسمِ خضر و روحِ مسیحا ہوں میں کہ بس
لاشے کی طرح مجھ میں پڑا ہے مِرا وجود

اثباتِ ہستِ ذات میں ہے نفی میری ذات
یا کائناتِ عشق کا ”لا“ ہے مِرا وجود

جب سے مِرے غبار میں پیدا ہوئی ہے آنکھ
مجھ آئنے کو چہرہ نما ہے مِرا وجود

گُم ہو رہو خود آپ میں گر خود کو پاسکو
کیا مجھ کو ڈھونڈ تے ہو خلا ہے مِرا وجود

ہوں چشمِ آئنہ میں برہنہ کچھ اِس طرح
بے جّبہ و عبَا و قبا ہے مِرا وجود

ہر چند اِس سوال سے مَیں لا جواب ہُوں
پَر مجھ سے پوچھتے رہو کیا ہے مِرا وجود

☆

دے کے مجھ کو بھی مئے عام نہ ٹال اے ساقی
وہ جو اپنے لئے رکھی ہے نکال اے ساقی

اوّلِ شب کے تکلّف سے اٹھا ہاتھ اپنا
آخرِ شب ہے یہ ِگر توں کو سنبھال اے ساقی

دامنِ ہوش فنا ہاتھ سے چھوڑے تو کہوں
نشّہ وہ دے کہ نہیں جس کو زوال اے ساقی

کیوں دیا ہوشِ خم و ساغر و مے خانہ و مے
بے خودی جبکہ خودی کا ہے مآل اے ساقی

گردشِ جام ہی کر تیز کہ ہے بس میں ترے
گر نہیں بس میں ترے گردشِ حال اے ساقی

☆

بجائے عقل ذرا دل سے کام لے ساقی
مَیں گِر رہا ہوں مجھے اُٹھ کے تھام لے ساقی

نہ تُو سخیِ جواب اور نہ میں گدائے سوال
شراب دے مجھے اور مجھ سے دام لے ساقی

سُنا یہ ہے تجھے آتا ہے تشنگی کا حساب
سو آگئے ہیں ہمارا سلام لے ساقی

نہ ہو کہ ہوشِ شمارِ سبو سے جائے ہوش
نہ اپنے ہوش سے اِس درجہ کام لے ساقی

جو گِر گئی مِرے کاسے سے صُبح ڈھونڈ کے دے
عِوض میں میرے پیالے سے شام لے ساقی

☆

کیسی حرکت مادّہ کیسا کہاں کی کائنات
جب ارادے کو تغیّر جب تغیّر کو ثبات

وہم ہے مطلق یہ معروض و اضافیّت ہیں فرض
اے توّہم اے تیقّن اے وجوب اے ممکنات

دل پہ کیا اقراء سے پہلے ہی کتاب القا نہ تھی
کیا نہ تھی موجود اِس دل میں زباں سے پہلے بات

دل اگر خود غیب ہو اور دل اگر خود ہو شہود
جبرئیل آتا ہے جاتا ہے نفس کے ساتھ ساتھ

زندگی ہے وہ سمجھتے ہیں جسے ہم اپنی موت
موت ہے وہ ہم سمجھتے ہیں جسے اپنی حیات

☆

ملّتیں دست و گریباں ہیں کراں تا بہ کراں
کون سمجھے گا خرابے میں تغیّر کی زباں

زخم سب دستِ نمک پاش کی میراث ہوئے
خاک پر بیٹھ گئی آ کے صفِ چارہ گراں

اپنی آغوش میں مخلوقِ کفن پوش لئے
یہ زمیں ہے کہ خلا میں کوئی تابوت رواں

ذرّے ذرّے میں بپا معرکۂ بود و نبود
لمحہ لمحہ کہ تڑپتا ہے تہہِ نوکِ سناں

ہو نہ جائے گی اشاروں ہی اشاروں میں غبار
میری دنیا کہ جو ہے کار گہہِ شیشہ گراں

اب کے اُس زلف میں وہ پیچ پڑا ہے کہ اُسے
دستِ قدرت ہی سنوارے تو سنوارے مِری جاں

☆

ستارہ ساز ہوئی جب سے گردشِ افلاک
نمودِ لالہ و گُل ہے سرِ تغیّرِ خاک

اُٹھا نہ دشت و جبل سے یہ بارِ خار آلود
شگفتِ گُل نے اُٹھایا طلسمِ پردۂ خاک

ہزار لذّت و رنگینیِ فنا معلوم
صدائے سیل ہے بر ہر لبِ خس و خاشاک

ستم یہ ہے کہ تڑپنے کی جا نہیں ہے یہاں
ہے ایک قامتِ نخچیر و قامتِ فتراک

گُزر کے آئنہ خانے سے دل میں تیر ہوئی
اگر اُٹھی ہے کبھی یہ نگاہِ حسرت ناک

تھی سر پہ خاک بہت پھر بھی کم تھی وحشت سے
سو اور ڈال لی اک مشتِ خاک برسرِ خاک

☆

نئی ہے فکر نیا اہتمام پیدا کر
کہ تُو خواص بہ طرزِ عوام پیدا کر

اگر نصیب ہوئی ہے تجھے یہ دیدہ وری
تو چشمِ خاص سے اک چشمِ عام پیدا کر

جو کور چشم ہیں دے اُن کو نورِ نظّارہ
جو گوش بند ہیں اُن سے کلام پیدا کر

ہزار محمل و لیلیٰ طراز گردِ قدم
ارادۂ سفرِ بے قیام پیدا کر

ملِے ہیں دست و گریباں جو دل کی فرصت کو
تو کوئی چاک و رفو کا ہی کام پیدا کر

سو پہلے عشق میں بے نام و بے مقام گزار
پھر اپنا نام پھر اپنا مقام پیدا کر

☆

لوحِ جہاں پہ نقش کیے اپنے تجربات
امکان کے چراغ سے روشن ہے کائنات

اُٹھنا سمجھ کے جا سے کہ ہے جائے احتیاط
پیمانۂ حواس پہ ٹھہری ہے کائنات

رہتی تھی ہر گھڑی دلِ بینا کے ساتھ ساتھ
اک چشمِ خام ہوگئی صرفِ تحیّرات

وہ اِسم جو شعور کو وسعت عطا کرے
یا وہ جو درمیاں سے اُٹھا دے تکلفّات

اقرار سے وجود نہ انکار سے عدم
اِن دونوں زاویوں سے الگ ہے وجودِ ذات

اک دوسرے کی رسم و روایت پہ خندہ زن
گزرے ہے ساری خلق اٹھائے توّہمات

اٹھتا ہے تیرے لمس میں بیدار ہو کے دن
چلتی ہے تیرے عشق کی خوابیدگی میں رات

☆

آئنہ دے گیا آخر یہ خبر عشق بھی مَیں حُسن بھی مَیں
از نظر تا بہ تماشائے نظر عشق بھی مَیں حُسن بھی مَیں

دیدہ و دید میں کچھ فرق نہیں اب نہ فلک ہے نہ زمیں
اب نہ اُٹھتی ہے نہ جُھکتی ہے نظر عشق بھی مَیں حُسن بھی مَیں

چل کے خود پر سے گزر آیا کہ میں شعلہ نہیں راکھ نہیں
اب نہیں دل میں فنا ہونے کا ڈر عشق بھی مَیں حُسن بھی مَیں

درَ تو جب ہو کوئی دیوار ہو دیوار کوئی ہو تو ہو درَ
کیسی دیوار کہاں کا کوئی درَ عشق بھی مَیں حُسن بھی مَیں

مجھ سے پیدا ہوئی یہ رہگزرِ شام و سحر میرے لئے
ختم مجھ پر ہوئی یہ راہگزر عشق بھی مَیں حُسن بھی مَیں

☆

خود ہی ہادی ہُوں خود ہدایت ہُوں
اپنے ہی ہاتھ پر مَیں بیعت ہُوں

وہ جو ''مَیں'' بن کے مجھ پہ ٹوٹی ہے
وا دریغا مَیں وہ قیامت ہُوں

''مَیں'' سے جو صرف کاڑھتی رہی ''مَیں''
مَیں وہ تنہائی مَیں وہ فرصت ہُوں

مَیں ہوں خود قہقہہ مَیں خود گریہ
مَیں ہی جلوت ہوں مَیں ہی خلوت ہوں

مَیں تماشا ہوں مَیں ہی چشم کہ مَیں
خود ہی آئینہ خود ہی حیرت ہُوں

☆

قائم ہیں یہ زمین و زماں بر بنائے عشق
جلوت سرائے حسن ہے خلوت سرائے عشق

آرائشِ جمال سے فرصت نہیں اُسے
ہم کو بھی کوئی کام نہیں ہے سوائے عشق

تشکیلِ حُسنِ ذات سے تکمیلِ حُسن تک
میں ہی سزائے عشق ہُوں میں ہی جزائے عشق

ہم بوالہوس تو خیر نہیں ہیں مگر یہ ہے
عریاں تھا یہ بدن جو نہ ہوتی قبائے عشق

عاشق کوئی نظر میں سمائے تو کچھ کہوں
کیا ابتدائے عشق ہے کیا انتہائے عشق

☆

سیلِ جہاں میں خود کو ڈبونا بھی عشق ہے
ہونا بھی عشق اور نہ ہونا بھی عشق ہے

اے حُسن اب یہ خواب حقیقت سے جُڑ گیا
اب جاگنا بھی عشق ہے سونا بھی عشق

کہتے ہیں ''مَیں'' کو ہستیِ آدم پہ داغ ہے
یہ داغ ہے تو اِس کا نہ دھونا بھی عشق ہے

دیکھو مجھے کہ عشق سے میں حُسن ہوگیا
عاشق خود اپنی ذات کا ہونا بھی عشق ہے

اِس حالتِ تباہ پہ روئے گا اور کون
روؤ دل و نگاہ کہ رونا بھی عشق ہے

☆

معلولِ محض و بے رُخِ علّت کہیں جسے
صورت خود آئنہ ہو کہ حیرت کہیں جسے

اے نازِ بے نیاز تری انجمن سے دُور
گوشہ وہ کون سا ہے کہ خلوت کہیں جسے

اے وہمِ جاں بہ لب یہ بتا مَیں کہاں سے لاؤں
وہ ارتقائے وہم حقیقت کہیں جسے

بدلے میں سکّہ ہائے جنون و خرد کے ہائے
وہ آگہی ملی ہے کہ غفلت کہیں جسے

یہ کیا ہُوا "نہیں" کا "نہیں" ڈھونڈنے میں ہائے
وہ کام آ پڑا ہے کہ فرصت کہیں جسے

دنیا و دیں بغیر بسر کر رہے ہیں ہم
یہ زندگی وہ رمز ہے ہمّت کہیں جسے

☆

ملبوس کوئی بھی نہیں قامَت کے برابر
یہ آئنہ خانہ نہیں حیرت کے برابر

مکتب میں مِرا سر تہہِ شمشیرِ الف ہے
لکھنا کہ یہ منصب ہے شہادت کے برابر

اِس انجمن آرائیِ عالم کو جو دیکھو
آئے گی نظر یہ تمہیں خلوت کے برابر

بیکار ہوں مَیں اے مِرے سیّارہ و افلاک
کچھ کام نکالو مِری فرصت کے برابر

مَیں جاں سے وہ آئینۂ خود بینی سے گزرا
اب حُسن ہوا میری محبّت کے برابر

آنسو جو رکا ہے سرِ مژگاں و پسِ ضبط
بہہ جائے تو یہ بھی ہے قیامت کے برابر

اِس عصر کے بازار میں یوسفؑ سا بِکا ہُوں
پہنچے گا کوئی کیا مِری قیمت کے برابر

☆

کہہ رہا ہے یہ جلال، کہہ رہا ہے یہ جمال
عشق کو نہیں زوال حُسن کو نہیں زوال

مَیں ہوں ایک جسمِ نور سیلِ برقِ کوہِ طور
حدِّ چشمِ اہلِ دہر میرا جامۂ سفال

مَیں ہوں خود ہی آئنہ مَیں ہوں خود ہی حیرتی
عشق یعنی میری تاب حُسن یعنی میرا حال

دہر کے غروب پر کب کھلا مِرا طلوع
عقل ہے مِری سرشت علم ہے مِرا کمال

زندگی ہے میری موت، موت میری زندگی
بندگی مری صفت صاجبی مِرا کمال

"میں" سے لے کے "تُو" تلک "تُو" سے لے کے "مَیں" تلک
میں ہوں آپ ہی جواب مَیں تھا آپ ہی سوال

☆

جو ہے سو ہے وہ جو عریاں نہیں ہے وہ بھی ہے
اور اِن کے بیچ جو حیراں نہیں ہے وہ بھی ہے

کسی شجر میں دمِ شاخِ نَو دمیدہ سے
کسے خبر کہ جو امکاں نہیں ہے وہ بھی ہے

جو اشک بر سرِ داماں نہیں تھا وہ بھی تھا
جو اشک برسرِ مژگاں نہیں ہے وہ بھی ہے

غلط بیاں ہے نظارہ کہ چشمِ وسعت کو
خیالِ تنگیِ داماں نہیں ہے وہ بھی ہے

یہی کہ نشّۂ کارِ سپردگی میں کہیں
وہ ایک ربط جو عریاں نہیں ہے وہ بھی ہے

یہ کیا مذاق کہ انبوہِ غم گساراں میں
ترے لیے جو پریشاں نہیں ہے وہ بھی ہے

☆

خود مجھ کو بھی خبر نہیں کیا چاہتا ہُوں مَیں
ہُوں چاہتا بقا کہ فنا چاہتا ہُوں مَیں

ہُوں گُل مگر خبر نہیں دورانِ ہست و نیست
لُو چاہتا ہُوں میں کہ صبا چاہتا ہُوں مَیں

خوف آتا ہے مکان سے دیوار و در سے خوف
رہنے کو بھی مگر کوئی جا چاہتا ہُوں مَیں

مجھ یاسیّت زدہ کو نہیں فکرِ ردّوکد
یعنی خدا نہیں کہ خدا چاہتا ہُوں مَیں

مجھ بے مزا سے کیا ہو مزا گر وہ پوچھ لے
اِس زندگی سے کیسا مزا چاہتا ہُوں مَیں

لے جاؤ اپنے نشتر و مرہم تُم اپنے ساتھ
اب درد چاہتا نہ دوا چاہتا ہُوں مَیں

☆

کوئی حالت نہیں یہ کون سی حالت میں ہُوں
کیا خدا ہے ہی نہیں کس لئے وحشت میں ہُوں

''تُو'' کا درَ بند ہوا اور کھلا ''میں'' کا دَر
ایک حیرت سے نکل کر نئی حیرت میں ہُوں

جس طرح وقت سے فطرت کو مِلے اذنِ نمو
میں اُسی طرح کی سرمست مسرت میں ہُوں

وہی سمجھے گا جسے نشّہ سُبک کرتا ہے
کس ہَوا پر ہیں قدم کیسی لطافت میں ہُوں

مثلِ یک طائرِ آزاد اُڑوں یا نہ اُڑوں
آج میں خوش ہوں کہ میں اپنی ہی قدرت میں ہُوں

☆

ابھی نہیں ہُوں سرِ آئنہ ابھی ہُوں میں
وہ شعبدہ ہُوں کہ خود اپنا حیرتی ہُوں میں

سب آن بیٹھے ہیں بزمِ ازل کے نکلے ہوئے
کوئی نہیں کہ جو پہچان لے وہی ہُوں میں

کہاں سے لاؤں وہ محویّتِ خبر انداز
یہاں تو خود کو میسّر کبھی کبھی ہُوں میں

کہاں سے گزروں نہ گزروں کہاں سے وائے سفر
کہ ہر نظارہ یہ کہتا ہے رفتنی ہُوں میں

جو نکلا خود سے تو آگے تھی تنگیِ افلاک
نکل کے دام سے بھی زیرِ دام ہی ہُوں میں

☆

جس کی حَد وسعتِ امکاں ہے وہ حَد بھی مَیں ہُوں
اپنے اندر وہ ازل ہُوں کہ ابد بھی مَیں ہُوں

تُو ہر اک جا ہے بتا میں بھی کہیں ہُوں کہ نہیں
اور پھر جب تیرے ہونے کی سند بھی مَیں ہُوں

لئے جاتا ہُوں ہر اک آن بہائے خود کو
سیل بھی میں ہُوں اور اِس سیل کی زد بھی مَیں ہُوں

مجھ کو اپنایا مجھے میرے حوالے نہ کیا
وہ قبولِ درِ حسرت ہُوں کہ رَد بھی مَیں ہُوں

چشمِ حیرت نہ سمجھ سہل تماشا میرا
وہ جنوں ہُوں پسِ وحشت کہ خرد بھی مَیں ہُوں

دیکھتے دیکھتے ہی ہوگیا میں صرف تمام
اور جس مَد میں ہوا صرف وہ مَد بھی مَیں ہُوں

☆

کیا کہا جائے کیا لکھا جائے
چُپ رہا جائے ''لاؔ'' لکھا جائے

ایسا سناٹا ایسی خاموشی
آج تو بس خُدا لکھا جائے

جو کہا جو سنا وہ بہرِ سُکوت
اَن کہا اَن سُنا لکھا جائے

کیسا معلوم کیسا نامعلوم
سب خلا در خلا لکھا جائے

سب ہی مبہم ہے سب ہی مُدغم ہے
کیا بہم کیا جُدا لکھا جائے

☆

کہاں سے آئی خزاں مَیں مگر نہ دیکھ سکا
گئی بہار کہاں مَیں مگر نہ دیکھ سکا

کبھی تو ہونے کو میں دیکھ لوں گا ہوتے ہوئے
مجھے بھی تھا یہ گماں مَیں مگر نہ دیکھ سکا

جو دیکھتے ہی نہیں وہ تو دیکھتے ہی نہیں
مَیں دیکھتا تھا یہاں مَیں مگر نہ دیکھ سکا

یہ دیکھنے مَیں کہاں ہُوں کہاں کی ٹوہ میں مَیں
پھرا کہاں نہ کہاں مَیں مگر نہ دیکھ سکا

کہاں کو جاتی ہے جاں خاک کر کے ہستی کو
کہاں سے آتی ہے جاں مَیں مگر نہ دیکھ سکا

☆

مِری تلاش میں تُو تیرے پاؤں پیچھے بہار
سو تیری راہ میں دنیا نہ راستوں کا غبار

جو خواب ہُوں تو کھُلے مجھ پہ کوئی رمزِ ثبات
کبھی مجھے مِری وسعت سے دُور جا کے پکار

نکل نہ بُوئے کفِ برگ کے تعاقب میں
تُو دستِ کشف و کرامت ہے شاخِ گُل کو سنوار

مَیں آئنوں کا مکیں خود تجھے صدا دوں گا
مجھے تلاش نہ کر مجھ میں زاویے ہیں ہزار

ترے گماں سے جُدا میرا مدّعا کب ہے
مگر غبار ہے دنیا سنور سکے تو سنوار

☆

جواب کیا ہے یہ آخر سوال کیا شے ہے
چلو کہ شے کوئی شے ہے خیال کیا شے ہے

یہ بات کیا ہوئی آخر وہ لب ہیں مثلِ گلاب
مثال آئی کہاں سے مثال کیا شے ہے

بہ دوشِ وقت ہیں فردا و دوش اِدھر سے اُدھر
اُلٹ پُلٹ ہو جو ایسی تو حال کیا شے ہے

مری ہی ذات ہے مرکز تمام سمتوں کا
یہ شرق و غرب و جنوب و شمال کیا شے ہے

بتا مجھے تُو اے دوری یہ ہجر کیا ہے بلا
بتا مجھے تُو اے قربت وصال کیا شے ہے

☆

تُو مردِ عشق انالحق تری نوا سائیں
خدا نہیں پہ خدا سے نہیں جُدا سائیں

تجھے خبر نہ ہوئی ''تُو'' سے کب ہوا ''مَیں'' تُو
رہا تُو مستِ مئے ساغرِ اللہ سائیں

وہ تُو کہ آپ ہی عاشق ہے آپ ہی معشوق
مِلے گا اور کہاں تجھ سا مبتلا سائیں

تُو عشق تھا بہ خدا حُسن ہوگیا آخر
وہ ابتدا تھی تِری یہ ہے انتہا سائیں

نویدؔ بھی ہے مسافر رہِ انالحق کا
یہی ہے وقت کچھ اُس کے لئے دُعا سائیں

☆

یقیں رکھوں مَیں کہاں پر گماں کہاں لے جاؤں
ہزار سود ہو کوئی زیاں کہاں لے جاؤں

تری زمیں کو کہاں دفن کرنے جاؤں مَیں
لگانے آگ تِرا آسماں کہاں لے جاؤں

تو کیا نہ دیکھوں مَیں اشیا کو رائیگاں جاتے
اگر مَیں دیکھوں تو یہ رائیگاں کہاں لے جاؤں

تمام لحظہ بہ لحظہ بکھر رہا ہے جہاں
اِسے سمیٹوں تو یہ جسم و جاں کہاں لے جاؤں

کہاں کہاں نہ بچاؤں فنا سے اپنا وجود
مَیں اپنا آپ اُٹھائے کہاں کہاں لے جاؤں

☆

پے بہ پے لمحہ بہ لمحہ یہ تماشا کیا ہے
اور دیکھو ابھی تم نے ابھی دیکھا کیا ہے

کچھ نہیں ہونا نہ ہونا تو پھر اے موجِ ہوا
نقش کا بننا ہے کیا نقش کا مِٹنا کیا ہے

بحرِ ہستی کے تو معنی ہیں کوئی سطح نہ تہہ
ڈوبنا کیا ہے یہاں اور ابھرنا کیا ہے

تمھیں معلوم ہے تم موج ہو جس دریا کی
اک روانی کے سوا اور وہ دریا کیا ہے

بے تمنا ہوئے جانے کی تمنا کے سوا
کوئی پوچھے بھی تو کیا کہیے تمنا کیا ہے

جب میسّر ہی نہیں کچھ تو بلا سے میری
کیا بُرا ہے مجھے کیا، کیا مجھے اچھا کیا ہے

☆

خدا نہیں کہ خدا ہے مجھے نہیں معلوم
کہاں تلک یہ خلا ہے مجھے نہیں معلوم

حرم نہ دیر کلیسا نہ درَ پھر آج یہ دل
کدھر کو لے کے چلا ہے مجھے نہیں معلوم

یہ دردِ حسرتِ ہستی جو لے کے پھرتا ہُوں
یہ درد ہے کہ دوا ہے مجھے نہیں معلوم

میانِ کشمکشِ باد و ہستیِ خاشاک
فنا ہے یا کہ بقا ہے مجھے نہیں معلوم

جو چشمِ عشق تہہِ بارِ آئینہ ہے تو یہ
سزا ہے یا کہ جزا ہے مجھے نہیں معلوم

اگر ہے کچھ تو وہ کیا ہے خبر نہیں ہے مجھے
جو کچھ نہیں ہے تو کیا ہے مجھے نہیں معلوم

مَیں سادہ دل ہُوں گریباں کی پوچھتے کیا ہو
کہاں یہ چاک ہوا ہے مجھے نہیں معلوم

جو چاہے سجدہ گُزارے جو چاہے سر پھوڑے
وہ بُت ہے یا وہ خدا ہے مجھے نہیں معلوم

☆

اُٹھے تھے ''ہے'' سے جو زندہ مگر ''نہیں'' میں رہے
شعورِ ''لا'' تھے کسی ذہنِ آتشیں میں رہے

حدودِ حُسن سے یوں مل گئی حدِ عشاق
کہ اب نہ دین سے باہر ہیں اور نہ دیں میں رہے

جنھوں نے خود پہ کیا شک سی نعمتوں کو حرام
وہ پھر بتوں کی طرح کعبۂ یقیں میں رہے

جنھیں شمار کیا بجھ گئے وہ سب تارے
جنھیں شمار نہ کر پائے آستیں میں رہے

یہ امتیازِ زمان و مکاں رہا جب تک
وہ آسماں میں رہا اور ہم زمیں میں رہے

☆

یہ خلا کی بے وجودی یہ وجودِ چشمِ حیراں
اِسی آئنے سے پیدا اِسی آئنے میں پنہاں

تو یہ آئنہ بھی کیوں ہو جو وہ موجِ حُسن یوں بھی
پَسِ آئنہ چھپی ہو سرِ آئنہ ہو عریاں

کبھی بھول کر بدن پر نہ لیا لباس اُس نے
وہ جو خلوتِ عجب میں کوئی پھر رہا ہے عُریاں

یہ کہاں کی بے دلی ہے تجھے کیا ہوا ہے اے دل
وہ طوافِ کوئے جاناں نہ وہ سیرِ دشتِ امکاں

کہیں اور اے ستارو یہ طلسمِ شب گزارو
مِرے دل میں سو رہی ہے کوئی شامِ بے چراغاں

☆

بے خودی ہے نہ خودی ہے تو یہ حالت کیا ہے
جو گزرتی ہے مِرے دل پہ قیامت کیا ہے

دین بھی کم ہے جسے کم ہے یہ دنیا جس کو
کم ہیں یہ عشق و ہوس جس کو وہ شدّت کیا ہے

کوئی تو ٹھہرے کہ پُوچھیں یہ گزرنے والے
وہم کس چیز کو کہتے ہیں حقیقت کیا ہے

چلیے مانا کسی صورت میں نہیں ہے صورت
سب یہ حسرت کے تماشے ہیں تو حسرت کیا ہے

تجھ سے رنگینی ہے اِس شہرِ فنا میں اے دل
تُو سلامت رہے یاں اور سلامت کیا ہے

اتنا سوچا ہے تو یہ بات سمجھ میں آئی
سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت کیا ہے

☆

جس کی طلب میں عمر بسر ہو مگر نہ ہو
اچھا ہے گر وہ ہے بہت اچھا ہے گر نہ ہو

وہ خواب ہی نہیں نہ کھُلے جس کی لَو سے آنکھ
وہ عشق ہی نہیں جسے اپنی خبر نہ ہو

رہتا ہے ایک خوف تجسس سے ہم کلام
وہ جو ہُوا نہیں ہے وہ ہوجائے پر نہ ہو

وہ حیرتی ہُوں آئنہ خانے کے درمیاں
جس کو سراغِ ہستیِ آئنہ گر نہ ہو

تیری طلب ہے گر تو خود اپنی خبر کو جاؤں
وہ راہ کیوں چلوں جو تِری رہگزر نہ ہو

کیا ہجر کھینچتا ہے مری جاں کو تا بہ چشم
میں آگ ہو رہُوں جو یہ آنکھوں میں تَر نہ ہو

وہ شورِ اشک و آہ ہے دیوار و در کے بیچ
جیسے مقامِ گریہ وزاری ہو گھر نہ ہو

☆

جو خود میں دیکھا ہے اب وہ جہاں میں دیکھنا ہے
کہ اِس مکاں کو کہیں لا مکاں میں دیکھنا ہے

چلی ہے سمتِ مخالف میں طبعِ ماہیِ عشق
ہے کتنا دَم تِرے آبِ رواں میں دیکھنا ہے

ابھی تو محوِ تماشائے گُل ہے دیدۂ دل
بہار کیا ہے یہ دل کو خزاں میں دیکھنا ہے

بنے ہیں چشمِ تغیّر اِس ایک حسرت میں
جہاں کو آئینۂ کہکشاں میں دیکھنا ہے

دِکھا کے جلوۂ اُلفت ہماری آنکھ نہ مُوند
ابھی تو تجھ کو صفِ دشمناں میں دیکھنا ہے

☆

خامشی کو پردۂ سازِ سخن کافی نہیں
یہ وہ خلوت ہے کہ جس کو انجمن کافی نہیں

کیا دکھانا ہے کہ عریانی پڑی جاتی ہے کم
کیا چھپانا ہے کہ جس کو پیرہن کافی نہیں

گر نہ کہیے زندگی جاتی ہے گر کہیے تو مَوت
روح کی حسرت نکلنے کو بدن کافی نہیں

اے زمیں اب رکھ ہمارے سر پہ دستِ خاک رکھ
ہم خمیرِ خاک کو چرخِ کہن کافی نہیں

کس نزاکت سے گزر کر کس نفاست سے جناب
فن وہاں تک آ گیا ہے اب کہ فن کافی نہیں

☆

چشمِ ہوش و چشمِ محو و چشمِ وا کافی نہیں
وہ تماشا ہے کہ جس کو دیکھنا کافی نہیں

یہ وہ حسرت ہے جسے میرا بھی مل جانا ہے کم
یہ وہ تنہائی ہے جس کو دوسرا کافی نہیں

یہ وہ قامت ہے جسے ملبوسِ یکتائی ہے کم
یہ وہ چہرہ ہے کہ جس کو آئنہ کافی نہیں

چاہیے بے خوفیِ معلوم میں کوئی خدا
خوفِ نا معلوم کو خوفِ خدا کافی نہیں

تُو بہلتا ہی نہیں اے دل بہلنے کے لئے
کیا فنا کافی نہیں ہے کیا بقا کافی نہیں

ہو سکے تو دل کو اب بے مدّعا کرلیجئے
اک فقط یہ ترکِ عرضِ مدّعا کافی نہیں

☆

یہ بھی کیا سوچنا پردہ ہو کہ پردہ ہی نہ ہو
کیا تماشا ہو اگر دیکھنے والا ہی نہ ہو

قیمتِ عشقِ زلیخا نہیں معلوم مگر
حُسنِ یوسفؑ ہے ٹکے کا جو زلیخا ہی نہ ہو

آج رخصت ہے تمنّا کی مگر یہ مِرا دل
ایسے خاموش ہے جیسے کبھی دھڑکا ہی نہ ہو

تیر وہ ہے کہ جگر سے نہ نکالے نکلے
زخم وہ ہے کسی مرہم سے جو اچھا ہی نہ ہو

بات وہ ہے جو کسی طرح بنائے نہ بنے
بوجھ وہ ہے کسی پہلو بھی جو ہلکا ہی نہ ہو

مَیں نے مانا کہ زمانہ نہیں سنتا لیکن
بَک رہا ہُوں مَیں جنوں میں کوئی سنتا ہی نہ ہو

☆

پردے میں وہم کے ہے حقیقت خدا گواہ
گھیرے ہے آئنے کو یہ حیرت خدا گواہ

ہے حُسن کیا وجود کے ہونے کا ایک وہم
ہے عشق کیا نہ ہونے کی وحشت خدا گواہ

میں ''لا'' ہُوں اِس زمان و مکاں کی حدود میں
ہے تنگ مجھ پہ میری ہی وسعت خدا گواہ

آئینے میں اب اپنے خدوخال دیکھ کر
تکتی ہے میرا منہ مِری صورت خدا گواہ

جانے نہ جانے تیری مشیّت کو تُو ہی جان
مجھ کو تُو ہے مجھی سے شکایت خدا گواہ

یکسانیِ جہاں سے اب اُکتا گیا ہُوں میں
اب لگ نہیں رہی ہے طبیعت خدا گواہ

بدلا ہے اپنے ہاتھ سے مُرشد نے میرا ہاتھ
ہُوں اپنے ہاتھ پر ہی مَیں بیعت خدا گواہ

☆

کچھ نہیں عزیٰ و ہُبَل لات و منات کچھ نہیں
ذات و صفات سے نکل ذات و صفات کچھ نہیں

خبط و گمان و وہم و شک ریگ و غبار و گرد و خاک
عقل کی فتح کچھ نہیں عشق کی مات کچھ نہیں

مَیں ہُوں کہیں مگر کہاں مَیں ہُوں جہاں مگر وہاں
حُسن میں بات کچھ نہیں عشق میں بات کچھ نہیں

اپنے یقین کی قسم اپنے گمان کی قسم
عشق کا دام کچھ نہیں عقل کی گھات کچھ نہیں

وحشتِ مہر کے سوا اور نہیں ہے کچھ یہ دن
گریۂ ماہ کے سوا اور یہ رات کچھ نہیں

☆

مہر و مہ و انجم کا تماشا بھی نہ ہوتا
ہوتا نہ اگر مَیں تو نہ ہونا بھی نہ ہوتا

قطرے سے ہے دریا میں تلاطم پسِ ہر موج
قطرہ جو نہ ہوتا تو یہ دریا بھی نہ ہوتا

اِس عشق کے ہونے سے ہے پردہ اُسے درپیش
یہ عشق نہ ہوتا تو یہ پردہ بھی نہ ہوتا

ممکن جو نہ تھا وہ بھی ہمی سے ہوا ممکن
آتے نہ اگر ہم تو تماشا بھی نہ ہوتا

حیرت نے دکھایا ہے تو دیکھا ہے وگرنہ
دیکھا جو نہیں تھا کبھی دیکھا بھی نہ ہوتا

اچھا ہُوا پوچھا نہ اگر حال کسی نے
باتوں سے مِرا زخم تو اچھا بھی نہ ہوتا

آئینہ تکا کرتا ہُوں ہر آن کہ مجھ کو
مجھ سا تو کوئی دیکھنے والا بھی نہ ہوتا

☆

حیرتی ہُوں چشم کے آگے دَھرا ہے آئنہ
مستقل دیکھو تو جانو اک بلا ہے آئنہ

کچھ نہیں مقصودِ چشمِ عشق حیرت کے سوا
آنکھ جو رکھتا ہے اُس کا مدّعا ہے آئنہ

کس کے ٹھہرائیں مماثل کیا رکھیں تمثیل میں
کس سے دیں تشبیہ آخر آئینہ ہے آئنہ

میں نے دیکھا تو نہیں اُس کا بدن لیکن یہ ہے
کیا قیامت ہوگا وہ جس کی قبا ہے آئنہ

اب نگہ حائل نہیں لے دیکھ یہ رنگِ وصال
چشم خوں آلود ہے ٹوٹا پڑا ہے آئنہ

☆

سفر ہے یہ کہ نہیں ہے سفر نہیں معلوم
قدم چلے کہ چلی رہگزر نہیں معلوم

بھلے سے سرسری گزرے بھلے ٹھہر جائے
نظر کو اپنی ہی حدِّ نظر نہیں معلوم

ہمیں خبر ہی نہیں کب گئی خبر اپنی
کب آئے گی ہمیں اپنی خبر نہیں معلوم

یہ عشق کی ہے کرامت کہ ہے کرامتِ تیغ
کہاں جُدا ہوا شانے سے سر نہیں معلوم

وہ کون ہے جو حقیقت کو جانتا ہے یہاں
تو کیا ہوا جو تمہیں بھی اگر نہیں معلوم

☆

ہر نفس ''ہاں'' اور ''نہیں'' کے درمیاں مَیں بھی تو ہُوں
اے یقیں میں بھی تو ہُوں ہاں اے گماں مَیں بھی تو ہُوں

مٹ چکا ہے سب یہاں اور سب یہاں مٹ جائے گا
مٹ رہا ہے سب یہاں ہائے یہاں مَیں بھی تو ہُوں

دیکھتا ہُوں اک جہاں کو روز تھک کر بیٹھتے
سر ہے بے سودا مِرا پر سرگراں مَیں بھی تو ہُوں

سب کی بے سمتی ہے میرا قہقہہ ہے اور سفر
بھول بیٹھا ہُوں مَیں یہ شاید رواں مَیں بھی تو ہُوں

بنتے مٹتے رُکتے چلتے دیکھتا تھا میں حباب
یک بہ یک مجھ کو خیال آیا کہ ہاں مَیں بھی تو ہُوں

لگ گئی ہے چُپ مجھے بھی راز داں کے ساتھ ساتھ
اُس کے لب کی خامشی کا راز داں مَیں بھی تو ہُوں

☆

جنوں خانے میں یہ ہونا نہ ہونا کون دیکھے گا
تماشا جس طرح سے مَیں نے دیکھا کون دیکھے گا

ہیں مستِ حال سب کوئی نہیں بے حال و بے حالت
اُٹھا کر پردۂ ماضی و فردا کون دیکھے گا

کیے جاتا ہے خود کو تیز عہدِ تیز و بے پروا
جو آہستہ ہُوا جاتا ہے عنقا کون دیکھے گا

جو دریا کو ہے کرتا خاک کر کے خاک کو دریا
وہ بے آواز و بے رفتار دریا کون دیکھے گا

ہے سب سمجھا نہ سمجھا ایک جیسا کون سمجھے گا
ہے سب دیکھا نہ دیکھا ایک جیسا کون دیکھے گا

☆

کچھ نظر آئے تو پھر کچھ نظر آتا ہی نہیں
دیکھنے کی طرح تم نے ابھی دیکھا ہی نہیں

پیاس کی حد میں ہے جو کچھ نہیں جُز موجِ سراب
پیاس کی حد سے جو باہر ہے وہ صحرا ہی نہیں

اک تمنّا کہ تمنّا ہی نہیں ہے جیسے
ایک سودا ہے کہ جیسے کوئی سودا ہی نہیں

مَیں وہ گُل ہُوں کہ پسِ پردۂ ہنگامِ نمود
مجھ کو فطرت نے کسی شاخ پہ رکھا ہی نہیں

سنگِ دَر چُپ ہے کہ ہے محرمِ رازِ سجدہ
سر اُٹھاتے ہی نہیں ہم کہ سر اٹھتا ہی نہیں

☆

بس دل ہی سمجھ سکتا ہے عالم مِرے دل کا
ہر قطرۂ خوں کرتا ہے ماتم مِرے دل کا

اے رشکِ جنوں، رشکِ خرد، رشکِ رہِ طُور
لو تم ہی اُٹھاؤ جو اُٹھے غم مِرے دل کا

یہ لاغری و ضعف یہ رعشہ یہ رُخِ زرد
اے بے دمِ نظّارہ یہ ہے دم مِرے دل کا

عاشق ہُوں مِرے تن سے جھلکتا ہے وہ معشوق
یونہی تو دوانہ نہیں عالم مِرے دل کا

اک قہقہہ بر عشق تو اک قہقہہ بر حُسن
جاری ہے عجب گریۂ پیہم مِرے دل کا

مَیں محرمِ جاں محرمِ اسرارِ خودی مَیں
پر کوئی نہیں دہر میں محرم مِرے دل کا

☆

کہوں تو کیا جو بتاؤں تو کیا کہ یوں ہے جنوں
یہی کہوں یہی کہتا رہوں جنوں ہے جنوں

نہ پوچھ سر کی کہ یہ ہوشِ سنگ سے بھی گیا
جنوں کی پوچھ جنوں سے بھی کچھ فزوں ہے جنوں

ہم ایسے خونیں کفن جس کی تہہ کے ہیں پیراک
وہ دام و موجہ و گرداب و بحرِ خوں ہے جنوں

کشید کرتا ہے نشّہ خود اپنی خلوت سے
شریکِ محفلِ مَے جامِ واژگوں ہے جنوں

یہ عمرِ خس تو کٹی منّتِ ہَوا میں تمام
اُڑی جو راکھ کھُلا شعلۂ دروں ہے جنوں

خیالِ دیر نہ فکرِ بُتاں ، نہ ہوش اپنا
جنوں سہی مگر اب اِس قدر بھی کیوں ہے جنوں

☆

لوحِ محفوظ کا آہنگِ نوا بولتا ہے
سن سکو تو مِرے لہجے میں خدا بولتا ہے

وحی ہے، غیب ہے، الہام ہے، بڑ ہے، کیا ہے
منہ ہی منہ میں وہ خدا جانیے کیا بولتا ہے

تادمِ مرگ ترا چلّہ کشِ خاموشی
کچھ اشاروں ہی اشاروں میں سنا بولتا ہے

کھیلتا رہتا ہے معلوم و نہ معلوم کا کھیل
خود پتا پوچھتا ہے خود ہی پتا بولتا ہے

دستِ عشّاق میں آئے تو مشیّت کی طرح
بیدِ مجنوں ہو کہ موسیٰ کا عصا بولتا ہے

☆

مِری ''مَیں'' کو ''تُو'' کا جو سودا سمایا
تو خود کو ہی خود کا ہی جلوہ دکھایا

کسے یہ خبر ''تُو'' سے ظاہر ہوا ''مَیں''
مِری شکل میں ''تُو'' نے خود کو چھپایا

نظر آیا مَیں ''تُو'' کی صورت میں خود کو
مِری مَیں نے ''تُو'' سے جو پردہ ہٹایا

کھُلا عرش پر ''مَیں'' کا ''تُو'' میزباں تھا
کہ ''تُو'' نے ہی تھا مَیں کو مہماں بلایا

نہیں کوئی ''تُو'' اب نہیں کوئی ''مَیں'' اب
مَیں تجھ میں سمایا تُو مجھ میں سمایا

☆

وحشت یہ کہہ رہی ہے کہ وحشت کو اب نہ رو
حالت یہ بے سبب ہے تو حالت کو اب نہ رو

وہ کھیل تھا سمجھتا تھا تُو جس کو کوئی کام
اے طفلِ عقل بیٹھ کے فرصت کو اب نہ رو

اب بے بسی میں دوڑ تارہ ''کیا'' سے ''کیوں'' تلک
حسرت ہے آئنے کی تو حیرت کو اب نہ رو

کر اپنی اپنے ہونے سے بے نسبتی تلاش
نسبت تو اک فریب ہے نسبت کو اب نہ رو

رونے ہی سے ترے اگر آئی تو آئے گی
مژگاں سے اشک پونچھ قیامت کو اب نہ رو

☆

ہے فنا دہر کا مقدور بقا ہو کہ نہ ہو
مَوت خود ایک حقیقت ہے خدا ہو کہ نہ ہو

سر پٹکنے ہی میں لذّت وہ میّسر ہے کہ اب
درِ کعبہ سے غرض کس کو ہے وا ہو کہ نہ ہو

نا امیدی کو مگر اُس نے نہ آنے دیا پاس
چاہے وحشت سے کوئی کام بنا ہو کہ نہ ہو

درد کو یونہی کبھی حد سے گزرتا ہُوا دیکھ
اک نظر قطعِ نظر اِس سے دوا ہو کہ نہ ہو

کیوں نہ پھر جس طرح میں چاہوں مروں جب یوں بھی
کیا خبر حق مِرے مرنے کا ادا ہو کہ نہ ہو

دل وہ دیوانہ کہ جینے میں مزا ڈھونڈتا ہے
عمر کہتی ہے جیے جاؤ مزا ہو کہ نہ ہو

☆

موجود ہو وجود ہو کیجے بجا ہے شک
بس وہ ہی با یقیں ہے کہ جو کر رہا ہے شک

حُجّت کہاں یقیں کو کہاں یہ دماغ ہے
گر عقل پر کُھلا ہے تو شک سے کُھلا ہے شک

شک تہہ بہ تہہ ہے اور پرت در پرت ہے شک
اک سلسلہ کہ سلسلہ دَر سلسلہ ہے شک

لے آب و گل سے تا بہ خلا تا بہ کہکشاں
میں جب کہیں چلا مِرے پیچھے چلا ہے شک

تم شک میں اور یقیں میں رہو گم مجھے تو یاں
شک میں یقیں ملا ہے یقیں میں ملا ہے شک

پہلے بھی یاں بڑے بڑے آئے ہیں پُر یقیں
اک ایک کر کے اٹھ گئے کس سے اٹھا ہے شک

☆

کیا خوب کہ ہو سکتا ہوں یا ہو نہیں سکتا
ہونا تو نہ ہونے سے جدا ہو نہیں سکتا

آلودۂ خوں لاکھ ہوں یاں ناخنِ مجنوں
وا پیچِ خمِ زلفِ دوتا ہو نہیں سکتا

کچھ درد ہی اتنا ہے کہ اب تا بہ دمِ مرگ
یہ ہاتھ مِرے دل سے جدا ہو نہیں سکتا

مَیں بھی تو ہوں اک عشق میں پابندِ سلاسل
کیوں ہاتھ وہ پابندِ حنا ہو نہیں سکتا

ماضی ہے مِری آنکھ کو ہر لمحۂ موجود
میرے لئے یاں کچھ بھی نیا ہو نہیں سکتا

قطرہ نہیں دریا ہے جو دریا میں ہے شامل
قطرہ کبھی دریا میں فنا ہو نہیں سکتا

یہ دل کہاں وہ ناوکِ مژگاں کہاں اے عشق
حق زخم چھپانے کا ادا ہو نہیں سکتا

☆

بیٹھا یہ سوچتا ہے کیا وقت بہت گزر گیا
کاسہ اٹھا صدا لگا وقت بہت گزر گیا

حال میں تھا کہ قال میں جانے تھا کس خیال میں
مجھ کو پتا نہیں چلا وقت بہت گزر گیا

یا یہ زماں بدل گیا یا یہ مکاں بدل گیا
یا میں ذرا سا سوگیا وقت بہت گزر گیا

مجھ سے مجھے مِلا چکی مَوت بھی آ کے جا چکی
دیکھنا بج رہا ہے کیا وقت بہت گزر گیا

تھمے تھمے تھمے تھمے دبے دبے دبے دبے
ذرا ذرا ذرا وقت بہت گزر گیا

☆

کیا کرو، کیا نہ کرو، وقت ہُوا جاتا ہے
چاہے کچھ ہو کہ نہ ہو وقت ہُوا جاتا ہے

نالہ بلبل کا سنو چاہے سنو نغمۂ گُل
چاہے کچھ بھی نہ سنو وقت ہُوا جاتا ہے

سر کو خنجر تلے یا سنگ کی زد پر رکھو
چاہے زانو پہ دھرو وقت ہُوا جاتا ہے

چاہے آہستہ چلو چاہے چلو تیز قدم
یا رُکو یا نہ رُکو وقت ہُوا جاتا ہے

چاہے دیوانہ بنو چاہے بنو صاحبِ ہوش
چاہے کچھ بھی نہ بنو وقت ہُوا جاتا ہے

☆

شے بہ شے لا بہ لا تحیّر ہے
علم کی انتہا تحیّر ہے

جو چُکا دے وہ آئنہ لے جائے
قیمتِ آئنہ تحیّر ہے

ہم تحیّر زدہ ہیں بندۂ عشق
اور ہمارا خدا تحیّر ہے

جانے کیا ہوگا کیا نہ ہوگا وہ
جس کا بندِ قبا تحیّر ہے

کیا کہا کیا سنا مگر یونہی
جو کہا جو سنا تحیّر ہے

☆

سیر کو یا سفر کو جاتے ہیں
راستے یہ کدھر کو جاتے ہیں

لے کے اپنی نظر کو آئے تھے
لے کے تیری نظر کو جاتے ہیں

اِس تماشے میں جی لگاؤ تم
ہم تو اب اپنے گھر کو جاتے ہیں

اک جگہ بیٹھ کیوں نہیں رہتے
کیا اِدھر کو اُدھر کو جاتے ہیں

اپنی فرقت میں دل کو رو آئے
اب تو رونے جگر کو جاتے ہیں

یہ سوئے عرش آہ بن کر ہم
ڈھونڈنے کس اثر کو جاتے ہیں

کچھ خبر ہے یہ عشق کا ہے سفر
منہ اٹھائے کدھر کو جاتے ہیں

دیکھتی ہوگی راہ کب سے وہ تیغ
لے کے اب ہم بھی سر کو جاتے ہیں

☆

کیا خبر جی رہے ہیں مر رہے ہیں
کتنی تیزی سے دن گزر رہے ہیں

دل میں درد اٹھ رہا ہے رہ رہ کر
دل پہ رہ رہ کے ہاتھ دھر رہے ہیں

اتنے دن جو نظر نہیں آئے
کیا کہیں تم سے ہم کدھر رہے ہیں

آپ دل پر نہ لیں ہماری بات
ہم تو بس یونہی بات کر رہے ہیں

جی کسی کام میں نہیں لگتا
جانے کیا کام ہے جو کر رہے ہیں

ہم تو بس کر رہے ہیں رات کو دن
ہم تو بس دن کو رات کر رہے ہیں

مَوت سے مر رہی ہے یہ دنیا
اور ہم زندگی سے مر رہے ہیں

☆

مرحلے سنگ و سر کے دیکھ ذرا
اُس گلی سے گزر کے دیکھ ذرا

مَیں بھی اِن منظروں کا حصہ ہُوں
مجھ کو بھی آنکھ بھر کے دیکھ ذرا

اشک ٹپکائے اور لہو دیکھے
مشغلے چشمِ تر کے دیکھ ذرا

خود کو اے محوِ آئنہ داری
آئنوں سے گزر کے دیکھ ذرا

آ گئی ہائے کیسی بے خبری
آتے آتے خبر کے دیکھ ذرا

تجھ کو کھویا ہوا مِلے گا فلک
اپنی تہہ میں اتر کے دیکھ ذرا

☆

ہجر میں کیا وصال میں کیا ہے
ہم کو کیا اِس وبال میں کیا ہے

اِس میں کیا نصف "تُو" ہے پوشیدہ
اے حقیقت سوال میں کیا ہے

"ہے" بھی میرے خیال میں "نہیں" ہے
جانے تیرے خیال میں کیا ہے

کیا ہے جز وہم وقت کی تقویم
کچھ تو کہہ ماہ و سال میں کیا ہے

وہم کی کیا یہی حقیقت ہے
"مَثَل" میں "کیوں" مثال میں "کیا" ہے

☆

ہر اک بقا ہر ایک فنا سے گزر گیا
یہ درد تو دوا و دعا سے گزر گیا

خود سے گزر کے خود سے مِلا تو مجھے لگا
اپنی تلاش میں مَیں خدا سے گزر گیا

پوشیدہ ہر سوال تھا بس اک سوال میں
مَیں ''کیوں'' سے جب گزر گیا ''کیا'' سے گزر گیا

کچھ اتنی بے خیالی میں گزرا جہان سے
ہر اک خیالِ بے سروپا سے گزر گیا

اِس شورِ خامشی میں بہت بولتا تھا مَیں
چپ کیا ہوا کہ اپنی صدا سے گزر گیا

جس دن سے مجھ پہ علم برہنہ ہوا نوید
عمّامہ و عبا وقبا سے گزر گیا

☆

وجود ہُوں نہ مَیں موجود ہُوں نہ مَیں ''لا'' ہُوں
نہ آئینہ ہُوں نہ صورت ہُوں کیا کہُوں کیا ہُوں

وہ چشمِ غیب کہاں ہے جو مجھ کو دیکھ سکے
کہ اپنی اصل میں پنہاں ہُوں میں نہ پیدا ہُوں

مَیں جز و کل کا تماشا نہیں کہ کھُل جاؤں
کسے خبر کہ میں قطرہ ہُوں اور نہ دریا ہُوں

کسی کے ہاتھ لگوں بھی تو کس طرح سے لگوں
کہ مَیں جنوں ہُوں کوئی اور نہ کوئی سودا ہُوں

فقیر و سالک و درویش و رند و مست و ملنگ
جلو میں لے کے نکلتے ہیں جب مَیں چلتا ہُوں

☆

جس کا ''مَیں'' جزو ہے وہ کُل ہے انائے مطلق
''مَیں'' سے ''مَیں'' تک کا تسلسل ہے انائے مطلق

''تو'' کبھی ''مَیں'' سے گزر تجھ پہ بھی کھل جائے گا
تُو کی خاموشی میں ایک غُل ہے انائے مطلق

''مَیں'' میں ''تُو'' بھر کے بنا دیتی ہے جو مست الست
''تُو'' کی مینا کی وہ قُل قُل ہے انائے مطلق

جو عطا کرتی ہے ہر عقل کو مستی کا شعور
وہ تدبر و تعقل ہے انائے مطلق

وہ کبھی ''مَیں'' کی خبر پا ہی نہیں سکتا ہے
واسطے جس کے تغافل ہے انائے مطلق

☆

کیوں ہم سے دیکھنے کا تقاضا کیا گیا
کیا ہم سے پوچھ کر یہ تماشا کیا گیا

جلوہ نہ تھا تو کس لیے پھر آنکھ دی گئی
کوئی نہ تھا تو کس لئے پردہ کیا گیا

گوندھا گیا کچھ ایسے حقیقت کو وہم میں
پنہاں کیا گیا کبھی پیدا کیا گیا

گوندھا گیا قیام و رکوع و سجود کو
جب عشق کے خمیر کو زندہ کیا گیا

''ہے'' کو ''نہیں'' بنا کے، بنا کے ''نہیں'' کو ''ہے''
دریا کو قطرہ، قطرے کو دریا کیا گیا

☆

بس ایک ھَا کی صدا ہے بس ایک ھُو کی صدا
یہ کیا مقام ہے جانے خودی رہی نہ خدا

سوائے اپنے کسی کو میں جانتا بھی نہیں
بچھڑ گیا تو میں پوچھوں گا کس سے اپنا پتا

عجب جنوں ہے کدھر دیکھیے نکلتا ہوں
یہ اپنے پیچھے نہ معلوم میں کدھر کو چلا

وہ آئنہ نظر آیا جو مجھ سے گرد ہٹی
پھر اُس کے بعد مجھے دُوسرا دکھائی دیا

یہ مرگ و زیست کے عالم سے تُو گزر کر پوچھ
کہ مَیں نے کھو دیا خود کو کہ مَیں یہ خود سے ملا

☆

نغمے کو مَوت آگئی نوحہ بھی مرگیا
لپٹا کفن میں قہقہہ گریہ بھی مرگیا

جب مجھ پہ کھل گیا یہ تماشائے جزو وکُل
قطرے کو مَوت آگئی دریا بھی مرگیا

جب مَیں حدِ زمان و مکاں سے نکل گیا
سب مرگئے شمار و عدد ''لا'' بھی مرگیا

یونان میں مرا تھا وہ مجذوبِ فلسفہ
اب یہ کہ اس کی فکر کا مردہ بھی مرگیا

انسان ہی مرا نہ خدا ہی مرا نویدؔ
خود تیرے ''کیوں'' کے ساتھ ترا ''کیا'' بھی مرگیا

☆

مَیں حال میں نہیں ہوں میرے حال پر مت جا
اسیرِ عقل جنوں کی مثال پر مت جا

تُو اپنے ہونے کو خود اپنے ہی سوال میں ڈھونڈ
رٹے رٹائے جواب و سوال پر مت جا

سوائے وہم نہیں کچھ نہیں وجود کا ''لا''
نہ کر خیال کا پیچھا خیال پر مت جا

ثبوتِ وہم میں ہرگز نہ لا حقیقت کو
بیان کرنے کو ممکن، محال پر مت جا

مَیں تیرے عشق میں خود بن گیا ہوں تجھ جیسا
مگر مَیں کون ہوں میری مثال پر مت جا

☆

مرکز ہُوں یا مدار میں الجھا ہُوا ہُوں مَیں
گردش ہُوں یا قرار میں الجھا ہُوا ہُوں مَیں

ہے کائنات گردِ مرے یا میں اِس کے گرِد
اے وہم کس حصار میں الجھا ہُوا ہُوں مَیں

جوہر ہے کس نمو میں مِرا اے نمودِ خاک
ہُوں نور یا کہ نار میں الجھا ہُوا ہُوں مَیں

تنہا بھی ہُوں قطار میں بھی ہُوں تو اے نگاہ
تنہا ہُوں یا قطار میں الجھا ہُوا ہُوں مَیں

فطرت کہ بے تکلّفِ ناز و نیاز ہے
یاں جبر و اختیار میں الجھا ہُوا ہُوں مَیں

اپنی صدا پہ کان لگائے ہُوں روز و شب
اپنے ہی انتظار میں الجھا ہُوا ہُوں مَیں

☆

نکل ہر ایک توّہم سے ہر گماں سے نکل
زمیں کے شک سے نکل وہمِ آسماں سے نکل

نیا جہاں ہے پرے مہر و مہ کی گردش سے
ہے اُس جہاں کی تمنّا تو اِس جہاں سے نکل

اِسی مکاں کا تصور ہے لا مکاں کا وجود
سو اے اسیرِ مکاں دامِ لا مکاں سے نکل

یہ باغ کیا ہے اگر جاننے کی خواہش ہے
تو مفت دی ہوئی تشریحِ باغباں سے نکل

وہی بہار و خزاں سردِ و گرمِ ابر و ہوا
مسلسل ایک ہی تکرار کے جہاں سے نکل

پڑا ہے پردۂ سود و زیاں حقیقت پر
تجھے طلب ہے تو ہر سود ہر زیاں سے نکل

نہ یوں گنوا اِسے آرام کی تمنّا میں
یہ وقت کم ہے بہت فکرِ آشیاں سے نکل

اگر ہے آنا تو طوفانِ پُر خطر میں آ
جو ہے نکلنا تو اِس خوفِ این و آں سے نکل

سب ایک بار گرا دے جو سب ہے کج بنیاد
یہ روز روز کے اِس خوفِ رائیگاں سے نکل

یہ وقت سمٹے تو کُن اور پھیلے تو فیہ کون
مگر یہ دیکھنے لازم ہے اِس زماں سے نکل

ہزار سودے ترا سر ابھی سلامت ہے
حصارِ سنگِ خموشیِ رازداں سے نکل

وجود سے تُو عدم کے سرے تلک کھنچ جا
کہ تیرِ عشق ہے تُو حُسن کی کماں سے نکل

☆

دل اگر بے سمت ہو قبلہ نما کچھ بھی نہیں
اِس کا مطلب آدمی خود سے جدا کچھ بھی نہیں

چشم ہو گر خام تو نظارگی ہے خود نقاب
ورنہ کیا ہے بندشِ بندِ قبا کچھ بھی نہیں

ایک حیرت تھی سو اب وہ یاس ہے کیا کیجیے
درمیانِ چشم و آئینہ رہا کچھ بھی نہیں

حُسن کو جو کچھ بھی ہم سمجھے مگر سمجھائیں کیا
یہ عجب خط ہے کہ جس کا زاویہ کچھ بھی نہیں

دامِ ہستی میں نہیں آئے جو ہم اہلِ جنوں
پھر ہمارے سامنے کیا ہے فنا کچھ بھی نہیں

سُن کہ ہونے میں نہیں مخفی کوئی مفہومِ زیست
اور اگر ہے تو نہ ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں

دیکھنا ہر دم نگاہِ حُسن سے بدہیّتی
آگے اِس اندوہ کے سیلِ بلا کچھ بھی نہیں

☆

طے ہوا ''تُو'' سے ''مَیں'' تک کا یہ فاصلہ اے خدا الوداع
شکریہ مجھ کو مجھ تک جو پہنچا دیا اے خدا الوداع

اب اجازت کہ یہ زندگی اک نیا موڑ مُڑنے کو ہے
اب نئی زندگی ہے نیا سلسلہ اے خدا الوداع

اب اجازت کہ فطرت سے مَیں اک نیا حُسن پیدا کروں
عشق کو اب تِرا حُسن کم پڑ گیا اے خدا الوداع

اب اجازت کہ فطرت سے مجھ کو نیا جام درکار ہے
تیرا بخشا ہوا جام خالی ہوا اے خدا الوداع

اب اجازت کہ رخصت ہُوں تجھ سے مگر اِس سے پہلے ذرا
میرے ماتھے کو بوسہ تو دے اے خدا اے خدا الوداع

☆

کوئی خبر کہ سلسلۂ دل کا کیا بنا
ہم آ گئے جب اُٹھ کے، تو محفل کا کیا بنا

پھر میرے بعد کس نے اُٹھایا، یہ بارِ عشق
پھر میرے بعد، طوق و سلاسل کا کیا بنا

کیا آنے والوں کے لیے، آسان ہوگئی؟
پھر میرے بعد، عشق کی مشکل کا کیا بنا

پھر کیا کسی نے، دفن کیا، میری لاش کو
وارث مرے کدھر گئے، قاتل کا کیا بنا

ہم کو تو موت آگئی تھی درمیان میں
پھر راہ کس طرف گئی، منزل کا کیا بنا

پھر میرے بعد کون بسا، کون اُجڑ گیا
پھر وہ بھنور کدھر گیا، ساحل کا کیا بنا

اہلِ خرد تو صحبتِ ہشیار میں ہیں مست
میرے جنوں کو فکر، کہ غافل کا کیا بنا

☆

نے جز و کل، نہ قطرہ و دریا، نہ مَیں نہ تُو
ھَا کے سوائے، ھُو کے علاوہ، نہ مَیں نہ تُو

ہجر و وصال سے جو گزر آئے تو کھلا
‘مَیں’ اور‘تُو’ کے بیچ میں پردہ، نہ مَیں نہ تُو

معدوم سا جو ‘مَیں’ ہے، جو‘موہوم’ سا ہے‘ تُو’
‘مَیں’ اور‘تُو’ کے بیچ وہ نقطہ، نہ مَیں نہ تُو

‘ہے’ گم ہوئی ‘نہیں’ میں، نہیں ‘ہے’ مَیں گم ہوئی
‘مَیں’ اور ‘تُو’ کے بیچ رہا کیا، نہ مَیں نہ تُو

‘مَیں’ اور ‘تُو’ کے بیچ تھی، بس ایک ‘ھُو’ کی دیر
پھر کچھ نہیں تھا ‘ہونا’ نہ ‘ہونا’، نہ مَیں نہ تُو

☆

نہ نظّارہ، نہ حیرت چاہتا ہُوں
خدایا، معنویّت چاہتا ہُوں

ابھی تو وہم ہی معنی طلب ہے
اور اُس پر مَیں، حقیقت چاہتا ہُوں

ورائے بحثِ لایعنی و یعنی
مَیں، ہونے کی وضاحت چاہتا ہُوں

ذرا دیکھوں تو بے قیمت ہُوں کتنا
مَیں تم سے اپنی قیمت چاہتا ہُوں

نہ کوئی 'مَیں'، نہ کوئی 'تو'، نہ امکاں
بس اب مَیں ھُو کی خلوت چاہتا ہُوں

☆

ذات کے دام مَیں تھا، دام سے آزاد ہُوا
تب ملا نام کہ جب نام سے آزاد ہُوا

عشق نے مسندِ کُن مجھ کو عطا کی یعنی
عشق کے کام میں ہر کام سے آزاد ہُوا

اِک عجب مستیِ بے نام کی مستی میں ہُوں مست
نیست کے، ہست کے، آلام سے آزاد ہُوا

منزل و جادہ و آرام و سفر ایک ہوئے
میں ہر آغاز، ہر انجام سے آزاد ہُوا

یعنی پاتا ہوں مَیں اب عالمِ ھُو میں خود کو
یعنی قیدِ سحر و شام سے آزاد ہُوا

☆

رخصت ہُوا جو 'کون'، تو 'کیوں' بھی چلا گیا
ساتھ اپنے لے کے 'میں' کو، یہ 'ہُوں' بھی چلا گیا

پھر یہ ہُوا، خبر سے خبر بھی چلی گئی
پھر یہ ہُوا، فسوں سے فسوں بھی چلا گیا

'تھا' اور 'ہے' کو لے کے روانہ ہوئی خرد
حالت سے حال لے کے، جنوں بھی چلا گیا

اِک ''ھُو'' مچا کے داخل و خارج بھی کیا گئے
'میں' کا دُروں بھی، تو کا 'بُروں' بھی چلا گیا

گزرا وصال و ہجر کا عالم، نوید ہو
مژدہ کہ اضطراب و سکوں بھی چلا گیا

☆

'لا' پہ پردہ پڑا ہے، 'کیا' چپ ہے
کیوں نہ مَیں چپ ہُوں جب خدا چپ ہے

علم کیا، علم کی حقیقت کیا
جاننا چپ، نہ جاننا چپ ہے

'ہے' کی کیا ہست، کیا نہیں کی نیست
اِک سِرا گم ہے، اِک سِرا چپ ہے

بولیے، کچھ تو بولیے صاحب
اِبتدا چپ ہے، انتہا چپ ہے

جانے کیا ہو رہے ہیں راز و نیاز
حیرتی چپ ہے، آئینہ چپ ہے

لازمانی کلام جاری ہے
'ہے' ہے خاموش، اور 'تھا' چپ ہے

ہر طرف گونجتی ہے یکتائی
یعنی 'ھو' چپ ہے، یعنی 'ھا' چپ ہے

اِک زمانہ تھا، بولتا تھا نویؔد
ایک مدت سے اب، سُنا چپ ہے

☆

'کیا' ڈھونڈنے میں، 'لا' کا سوال آگیا ہوگا
ممکن سے گزر کر، تو محال آگیا ہوگا

یا کُہنہ خیالات کو، دن ہوگئے ہوں گے
یا لے کے کوئی تازہ، خیال آگیا ہوگا

دل قصۂ مجنوں سے، جب اٹھنے لگے ہوں گے
پھر لے کے جنوں کوئی، مثال آگیا ہوگا

یا طعنہ زناں، سنگ زناں، تھک گئے ہوں گے
یا تیرے جنوں میں ہی، سنبھال آگیا ہوگا

وہ حال ہُوا ہے دلِ پُردرد کا اِس بار
کہتے ہوئے خود، درد کو، حال آگیا ہوگا

موت آگئی ہوگی اُنھیں، وہ جی گئے ہوں گے
جب یونہی اُنھیں، میرا خیال آگیا ہوگا

☆

بنے گا کیا ،کہ دل سے بے دلی بھی جارہی ہے
کہ مَوت آئی نہیں، اور زندگی بھی جارہی ہے

یہ ہے معلوم کا عالم، کہ ہے معدوم کا عالم
صدا تو ہو چکی گم، خامشی بھی جارہی ہے

بتا، کیا چشمۂ آبِ بقا ہے پھُوٹنے والا؟
خدایا، اب تو میری تشنگی بھی جارہی ہے

شریعت کیا، طریقت کیا، حقیقت کیا، خدایا
یہ کیسی معرفت ہے، آگہی بھی جارہی ہے

جبیں کا زخم، پیروں کا لہو، بہہ بہہ کے کہتا ہے
تِرا دَر جا چکا، تیری گلی بھی جا رہی ہے

☆

دعائیں دیتے ہوئے اور سلام کرتے ہوئے
کدھر سے ہم نہیں گزرے کلام کرتے ہوئے

ہماری فکر بھی تھی خاص، اور ہم بھی تھے خاص
مگر جو بیت گئی ہم پہ، عام کرتے ہوئے

سوائے عشق ہمیں اور کچھ نہیں آتا
سو مر رہے ہیں، یہی ایک کام کرتے ہوئے

خدا کے بندے ہیں، یعنی خدا نہیں ہیں ہم
ہمیں تو شرم سی آتی ہے، نام کرتے ہوئے

کبھی تو پوچھ، کسی صبح، ہم پہ کیا گزری
کبھی تو دیکھ، ہمیں آکے شام کرتے ہوئے

☆

پڑا ہُوں، مجھ سے کوئی کام زندگی کو نہیں
فُغاں، کہ میری ضرورت، یہاں کسی کو نہیں

نہیں ہے کوئی پیمبر یہاں، چلو نہ سہی
پیمبرانہ کوئی دکھ بھی، کیا کسی کو نہیں

یہ کیا ہُوا ہے، مجھے کیوں ملی ہے بے خبری
مَیں خود کو ڈھونڈنے نکلا تھا، آگہی کو نہیں

سوال یہ ہے مجھے مَوت کیوں نہیں آئی
میں تجھ کو ڈھونڈنے نکلا تھا، زندگی کو نہیں

کہاں کے جیب و گریباں، کہاں کے چاک ورفو
تِرے خیال کو چاہا ہے، زندگی کو نہیں

مَیں کس خدا کو پکاروں، کسے صدادوں نوید
یہاں کسی کی ضرورت ہی، جب کسی کو نہیں

☆

خود اپنی ذات کا تجھ کو پتا ملا کہ نہیں
خدا کو ڈھونڈنے والے خدا ملا کہ نہیں

یہی کہ سرِّ حقیقت کا ایک تیرے سوا
نہیں ہے کوئی سِرا، یہ سِرا ملا کہ نہیں

یہ مانا مِل گیا تجھ کو، سِرا حقیقت کا
'سِوا' ملا کہ نہیں، 'ماسوا' ملا کہ نہیں

یہ مانا مل گیا تجھ کو، 'اِلہٰ' کا مفہوم
مگر بتا کہ، نہ معلومِ 'لا' ملا کہ نہیں

ہزار چہرہ و آئینہ کی دوئی میں نویدؔ
جوخود میں چہرہ ہو، وہ آئنہ ملا کہ نہیں

☆

اگر خاموش ہیں بُت آذری تو چل رہی ہے
خرد کی بندگی بے بندگی تو چل رہی ہے

خدا جانے یہ کوئی وہم ہے یا ہے حقیقت
جنوں کے آگے آگے اک پری تو چل رہی ہے

کوئی ہو بے جنون و بے خرد تیری بلا سے
تری بخیہ گری جامہ دری تو چل رہی ہے

بس اک تم ہو جو دل تھامے ہوئے گم سُم کھڑے ہو
دل افگارو! وہ دیکھو زندگی تو چل رہی ہے

رہا ہوشِ جنوں سو اب نہیں ہے ایک مدّت سے
رہی آوارگی، آوارگی تو چل رہی ہے

نہیں ہے کیا کوئی مصروفیت اِس کے علاوہ
کہو کیا کر رہے ہو شاعری تو چل رہی ہے

☆

خراب و خستہ و واماندگاں گزر رہے ہیں
سبو ہٹاو کہ تشنہ دہاں گزر رہے ہیں

خوشی میں حد سے کہیں بڑھ نہ جائے ساز کی لَے
زرا خیال کے آزرُدگاں گزر رہے ہیں

اشارہ ہائے جرس ہے نہ مژدۂ ناقوس
مثالِ یوسفؑ بے کارواں گزر رہے ہیں

ملال یہ ہے ذرا بھی نہیں کسی کو ملال
ملال یہ نہیں ہم رائیگاں گزر رہے ہیں

زمانہ ہم سے یونہی بے سبب نہیں ناخوش
سُبک گزر رہے ہیں تو گراں گزر رہے ہیں

فقط ہمارا نہیں ہے تری گلی میں گزر
زمیں گزر رہی ہے آسماں گزر رہے ہیں

مکاں کی قید سے نکلے تو یہ کُھلے تجھ پر
کہ تیری ''مَیں'' سے کئی لا مکاں گزر رہے ہیں

رکوع ہوتے چلے جا رہے ہیں سر بہ سجود
جدھر جدھر سے یہ آوارگاں گزر رہے ہیں

کسے خبر کہ ہمیں داستاں سُنا رہی ہے
کہ ہم سناتے ہوئے داستاں گزر رہے ہیں

☆

مُستقل سوچتے رہنے کا بہانا ہے سوال
ہے حقیقت کا دکھانا کہ چُھپانا ہے سوال

''کیا'' سے بھی پہلے ہے درکار مجھے اِس کا جواب
یہ بنانا ہے کہ یہ عقل میں آنا ہے سوال

آج تک دے نہ سکا کوئی مجھے اِس کا جواب
ہے بڑھانا کہ حدِ عقل دکھانا ہے سوال

ہے کوئی واقفِ ہستی کہ جو دے اِس کا جواب
ہے مجھے عُمر بِتانی کہ بِتانا ہے سوال

میرے جانے کا بھی دُنیا سے کوئی ہوگا جواب
میرا دُنیا میں جو اِس طرح سے آنا ہے سوال

تھک کے کب بیٹھنا ہے مَسندِ عرفاں پہ مجھے
مجھ کو تو ایک کے بعد ایک اُٹھانا ہے سوال

☆

وہم پَر ہے مِرا ایماں نہ حقیقت پہ یقیں
شک پہ بھی شک ہے مجھے بس ہے محبت پہ یقیں

عقل کو تو کسی صورت نہ مِلا نقل کا اصل
دل بھی کیا چیز ہے لے آیا شباہت پہ یقیں

کیا ہے زاہد تیری تسبیح میں بخشش کا حساب
ہے خدا پر کہ تجھے اپنی عبادت پہ یقیں

ماننے کی مِری پوچھو تو مِرا ماننا کیا
نہ طریقت پہ یقیں ہے نہ شریعت پہ یقیں

بے زبانی کا مزا ایسا پڑا ہے کہ مجھے
نہ فصاحت پہ یقیں ہے نہ بلاغت پہ یقیں

☆

نہ سلسلہ ہے مِرا اور نہ کوئی گدّی ہے
مجھی تلک یہ مِری ساری شدّومدّی ہے

حقیقتاً اِسے مَیں نے دیا ہے رنگِ دِگر
یہ فکرِ خاص جو پشتی ہے اور جدّی ہے

نگاہِ نَو نے جو دیکھی جہانِ کہنہ کے بیچ
وہ شکل ''ہاں'' سے حسیں ہے ''نہیں'' سے بھدّی ہے

وہ مُحکم و متشابہ ہے میرا سارا کلام
کسی کو ہے یہ صحیفہ کسی کو ردّی ہے

نیا جہاں مِرا مقصودِ آرزو ہے نوّید
مِرا جنوں نئے انساں کی خال و خدّی ہے

☆

دکھائی کیسی حقیقت نے حال کی صورت
مِلا جواب بھی مجھ کو سوال کی صورت

وہ رنگ لائے کہاں سے کہ جس کی ''لا'' ہے نمود
بنائے کس طرح ممکن محال کی صورت

مَیں کس طرح سے حقیقت کروں تصوّر کو
مَیں کس طرح سے دکھاؤں خیال کی صورت

خیال ہے وہ جسے سب سمجھ رہے ہیں وصال
کسی نے دیکھی کہاں ہے وصال کی صورت

شریکِ حال کروں تو کسے کروں مَیں نویؔد
کہ عرضِ حال سے باہر ہے حال کی صورت

☆

نہ ہے حقیقتِ وہم اور نہ ہے حقیقتِ خواب
شراب لاؤ! کہاں کا سبق کہاں کی کتاب

بیانِ جہل ہے واں اور یاں عبادتِ نفس
اِسی کو کہتے ہیں منبر ہے کیا یہی محراب

جو دے صدائے سلونی وہ زیبِ منبر ہو
جو تر ہو خون میں آباد وہ کرے محراب

دعائیں مانگنے والو ظہورِ مہدیؑ کی
خدا سے مانگا ہے مَیں نے تو اُس کا قہر و عذاب

یہ لمحہ لمحہ بکھیرا گیا ہے کوئی وجود
کہ حرف حرف سمیٹی گئی ہے کوئی کتاب

☆

آئینے میں کیا ڈھونڈیے حیرت سے زیادہ
صورت میں تو کچھ بھی نہیں صورت سے زیادہ

کچھ وسعتِ قطرہ نہیں جُز تنگیِ دریا
قد ہو نہ سَکا بڑھ کے بھی قامَت سے زیادہ

خاموشی سے بولا نہ گیا نطق سے آگے
ظاہر نہ ہُوا رنگ بھی رنگت سے زیادہ

یا عقل سے سوچا نہ گیا عقل سے آگے
یا کھُل نہ سکا وہم حقیقت سے زیادہ

امکان ہی امکان ہے امکان سے آگے
حسرت میں مِلا کچھ نہیں حسرت سے زیادہ

کیا حالِ سفر کہیے نہ آغاز نہ انجام
منزل نہ کھُلی ہم پہ مسافت سے زیادہ

☆

نہ ''کیا'' نہ ''کیوں'' کہاں لے آئی بےخودی ہم کو
کہ اب رہا ہی نہیں ہوشِ آگہی ہم کو

پھر اُس کے بعد نہ ''ہے'' تھا نہ تھا ''نہیں'' کوئی
جو اپنی بے خبری کی خبر ہوئی ہم کو

نہ کرتے خود کو جو گُم اے تلاشِ لاموجود
نگل ہی جاتی بلآخر کوئی کمی ہم کو

کسی کی حسرتِ زلفِ ہزار پیچاں سے
ہماری سادگی لے کر گزر گئی ہم کو

نہ اب سُبک ہیں نہ ہم خود پہ ہیں گراں یعنی
بَلا جو سر سے گئی ساتھ لے گئی ہم کو

☆

سائیں، باوا، میر صاحب، بادشاہ
اتنے ناموں پر بھی میں تنہا ہوں، آہ

کر دے تنہائی کو یکتائی نصیب
اے علیؑ اے بے پناہوں کی پناہ

ماورائے رنگ مجھ کو رنگ دے
ماورائے لاسپید و لاسیاہ

مَیں کدھر، رستا کدھر، منزل کدھر
چل پڑا مَیں راہ جانے، جانے شاہ

یا غیاث المستغیث و یا مغیث
یا علیؑ و یا علیؑ و یا الٰہ

☆

نئے سرے سے اُٹھا پھر نیا وبال اِک اور
ترے جواب سے پیدا ہُوا سوال اِک اور

کہا تھا تجھ سے تو مَیں نے گرہ کشائی کو
یہ کیا اُلجھ کے نیا پیچ تو نہ ڈال اِک اور

جو دیکھنا ہے وہ جامِ سفال و جم میں نہیں
ہو تیرے پاس تو ساغر کوئی اچھال اِک اور

تھا عین عالمِ گریہ کہ شق ہُوا سینہ
خوشا فراق کہ رستا ہوا بحال اِک اور

قریب ہوگئے کچھ اور اپنی منزل سے
گزر گیا بڑی آہستگی سے سال اِک اور

☆

یوسفِ مصرِ عصر ہیں یعنی ہیں قدر دانِ دل
خود کو فروخت کردیا بند نہ کی دکانِ دل

تیری گلی میں گھومتے ماہ و نجوم چومتے
کتنے ہی راکھ ہوگئے ہم سے بلا کشانِ دل

سینہ بہ سینہ دل بہ دل ایک ہی لَے ہے مستقل
جانِ قرار و جانِ جاں جانِ نگاہ و جانِ دل

اپنی ہی رَو میں مست ہیں محرمِ رازِ ہست ہیں
دل ہی ہمیں زمینِ دل، دل ہی ہمیں زمانِ دل

کوئی خزاں ہو یا بہار کیسا کسی کا انتظار
دل ہی ہے میہمانِ دل، دل ہی ہے میزبانِ دل

عکس بہ عکس سر بہ سر رنگ بہ رنگ تر بہ تر
خوب ہے اُس کے حسن کو آئینۂ مکانِ دل

عرصہ ہوا کہ حسن کی کوئی جھلک نہیں ہوئی
ڈالے ہوئے سروں پہ خاک بیٹھے ہیں ساکنانِ دل

☆

وہ جو اُٹھے تھے خاک سے، خاک میں پھر وہ سو رہے
ذکرِ بتانِ شہر کیا شہر زمیں کے ہو رہے

کس کو خبر کہاں چلے کس کو خبر کہاں رہے
چلنے کو ہم بھی چل دیے رہنے کو ہم بھی گو رہے

شکریہ دردِ لادوا اُن کا بھی شکریہ کہ جو
لمحہ بہ لمحہ گاہ گاہ واقفِ حال تو رہے

ہائے رہے پیشِ آئنہ ، آئینہ داریاں تری
ہم تھے کہ آئنے کو دیکھ اپنے حواس کھو رہے

کس میں تھی تابِ آئنہ دیتا جوابِ آئنہ
ہم بھی تو حیرتی ہی تھے خاک سے منہ کو دھو رہے

قشقہ کشانِ دَیر سے دَیر کی پوچھتے ہو کیا
دَیر کی تم سے کیا کہیں تم تو خدا کے ہو رہے

وہ تو جدائے ہست و بود کیسا وجود کیا شہود
ہستی ہے یاں ہمی کو عار ہم جو فنا کے ہو رہے

اُٹھی نگاہِ زاویہ لے کے ہزاروں زاویے
جتنے تھے سب حریفِ دل چشم و ادا کے ہو رہے

☆

مطلب و مقصدِ نگاہ خاک بلا ہی کیوں نہ ہو
تکنے کو کچھ تو چاہیے چاہے خلا ہی کیوں نہ ہو

کیا ہیں حیات و رمزِ مرگ کیا ہیں ہوا و تخم و برگ
سوچیے کچھ تو سوچیے بے سروپا ہی کیوں نہ ہو

چاہیے درد کو دوا عمر پڑی ہے گر تو کیا
زخم تو زخم ہے جناب زخم نیا ہی کیوں نہ ہو

عشق کو اِس سے کیا حذر عشق کو اس کی کیا خبر
عشق سزا ہی کیوں نہ ہو عشق جزا ہی کیوں نہ ہو

عشق ہے سیلِ تند و تیز، عشق کو اِس سے کب گریز
عشق فنا ہی کیوں نہ ہو عشق بقا ہی کیوں نہ ہو

عشق خودی و بے خودی ہے صاحبی و بندگی
عشق طریقِ زندگی عشق بلا ہی کیوں نہ ہو

☆

بیٹھا یہ سوچتا ہے کیا، وقت بہت گزر گیا
کاسہ اُٹھا صدا لگا، وقت بہت گزر گیا

حال میں تھا کہ قال میں جانے تھا کس خیال میں
مجھ کو پتا نہیں چلا، وقت بہت گزر گیا

یا یہ زماں بدل گیا یا یہ مکاں بدل گیا
یا میں ذرا سا سو گیا، وقت بہت گزر گیا

مجھ سے مجھے مِلا چکی مَوت بھی آ کے جا چکی
دیکھنا بج رہا ہے کیا، وقت بہت گزر گیا

تھمے تھمے تھمے تھمے دبے دبے دبے دبے
ذرا ذرا ذرا ذرا، وقت بہت گزر گیا

☆

یہی عشق کا ہے اوّل یہی عشق کا ہے آخر
کہیں خود سے خود میں غائب کہیں خود میں خود سے حاضر

پسِ منزل و مسافر یہ سفر ہے خود سے خود تک
جو پہنچ گیا وہ منزل وہ جو رہ گیا مسافر

جو خبر ہے آئنہ ہے جو ہے آئنہ خبر ہے
نہ کوئی خبیر و مخبر نہ کوئی نظیر و ناظر

کسی نے مجھے گرایا کسی نے مجھے اٹھایا
نہ گرا کسی کی خاطر نہ اُٹھا کسی کی خاطر

مَیں خود آپ اپنا صاحب مَیں خود آپ اپنا بندہ
بہ خدا نہ کوئی صوفی بہ خدا نہ کوئی شاعر

☆

مجھی سے رازِ حقیقت مجازِ راز بھی مَیں
جواز بھی سبھی مجھ سے ہیں بے جواز بھی مَیں

مجھی سے ہے یہ خموشی مجھی سے ہے یہ سخن
درونِ ساز بھی مَیں اور برونِ ساز بھی مَیں

مجھی سے عشق کی خلوت مجھی سے جلوتِ حسن
نیاز بھی سبھی مجھ سے ہیں بے نیاز بھی مَیں

مجھی سے چشم کی حیرت مجھی سے تابِ طلسم
کہ آئنہ بھی ہُوں مَیں آئنہ طراز بھی مَیں

مجھی سے سارے جواب اور مجھی سے سارے سوال
درِ عطا بھی ہُوں مَیں کاسۂ دراز بھی مَیں

☆

جنوں کی خیر منا اے جنونِ بے بنیاد
چلو، کہیں نہیں کوئی پری مگر فریاد

عدد کو کھا گئی خود ہی عدد کی بے عددی
وہ بے بسی تھی کہ منہ دیکھتے رہے اعداد

یہ 'کیوں' کہاں سے بھلا فرض کرلیا تو نے
یہ 'کیا' کہاں سے لیا 'کیا' سے تیری کیا ہے مراد

او بے خبر ترے 'ہے' اور 'نہیں' سے کیا ہوگا
کہ بے تضاد ہے بنیادِ عنصرانِ تضاد

یہ بے ستارہ و بے کوچواں خدا کی قسم
کدھر چلی ہے سوارِیِ عالمِ ایجاد

ہے دوڑنے کو بہت اور کم ہے رہنے کو
زمیں کا حال کہیں جاکے کس سے آدم زاد

☆

جنبشِ دم قدمِ مست ہے اور کچھ بھی نہیں
حرکت واہمۂ ہست ہے اور کچھ بھی نہیں

حاصلِ ہمہمۂ آدمِ بے بس کیا ہے
جست کے بعد پھر اِک جست ہے اور کچھ بھی نہیں

جہاں لایا ہے گِلہ اُس کو بلندی نہ سمجھ
یہ بلندی گلۂ پست ہے اور کچھ بھی نہیں

تیرِ تحقیر کسَے بیٹھی ہے فطرت کی کماں
ہائے انساں کہ زدِ شست ہے اور کچھ بھی نہیں

فہمِ اشیاء سے کہیں پہلے یہ ترتیبِ جہاں
وہم ہے جو بھی در و بست ہے اور کچھ بھی نہیں

ہے کوئی حسرتِ تعمیر بغیرِ اسباب
ہے تو بس حسرتِ بے دست ہے اور کچھ بھی نہیں

☆

ہے اگر یہ کوئی گستاخی تو گستاخی معاف
مسئلہ ہے ماورائے اتفاق و اختلاف

چشمِ بینا کو تو دونوں حالتیں ہیں ایک سی
آئنے پر گرد ہو یا سطحِ آئینہ ہو صاف

مطلب و معنی و مفہوم و اشارات و گریز
گر کہیں ٹھہریں تو جائز ہیں قبول و انحراف

ماورائے بے دری و در ہے تُو پھر کیوں تری
عقل ہے سو در بہ در ہے دل ہے سو محوِ طواف

ہے سِیا فطرت نے عریانی چھپانے کے لئے
وجہِ آرائش نہیں ہے سبزہ و گل کا غلاف

☆

دورانیۂ گل پسِ گُل کم ہی تو دیکھا
بے وقفہ پر اِس سیل کو پیہم ہی تو دیکھا

کیا تاب کہ جب آنکھ نہ ہو پہلے سے تیار
دیکھا اُسے جس آنکھ نے اِک دم ہی تو دیکھا

قامت کے برابر کوئی آئینہ نہیں ہے
یوں خود کو جو دیکھا قدِ آدم ہی تو دیکھا

داخل ہے کہ خارج ہے نہیں علم کہ میں نے
سب اِک خطِ نادیدہ میں مدغم ہی تو دیکھا

کس طرح پھر اظہار میں ابہام نہ آئے
مبہم کو مری چشم نے مبہم ہی تو دیکھا

آخر یہ ہُوا میں بھی ہُوا شاملِ ماتم
واللہ کہ ہوتے یہاں ماتم ہی تو دیکھا

☆

حیرت میں رہ کہ عرصۂ نظّارہ تنگ ہے
جھپکی اِدھر پلک اُدھر آئینہ زنگ ہے

حسرت سے جس کی باغ میں ہے گردشِ نمود
اے چشم، نے وہ گل ہے نہ بو ہے نہ رنگ ہے

جب تھا جنوں تو سر کو میسر تھا سنگِ طِفل
اب کیا کریں کہ اب نہ جنوں ہے نہ سنگ ہے

خاموش آئنہ تکے جاتا ہے روز و شب
اِس حیرتی پہ آئنہ خانہ بھی دنگ ہے

نشّے میں تھا خودی کے مگر اتنا ہوش تھا
بندہ رہا خدا نہ ہُوا یوں کہ ننگ ہے

☆

قدم کے ساتھ عجب اِک قدم لگا ہے میاں
مِرے وجود کے پیچھے عدم لگا ہے میاں

بجا کہ ایک ہے گریے میں گریۂ یعقوبؑ
مجھے تو دیدۂ یوسفؑ بھی نم لگا ہے میاں

گر آئنے کو لگے وہ بھی زنگ ہوجائے
وہ روگ ہم کو خدا کی قسم لگا ہے میاں

کچھ اور چاہیے وسعت اِسے بہ قدرِ نظر
یہ آئنہ مِری حیرت کو کم لگا ہے میاں

تمھی بتاؤ کہ ہم کیا کریں بجز سجدہ
تمھیں خدا تو ہمیں وہ صنم لگا ہے میاں

☆

ایک سایہ جو کئی دن سے مری تاک میں ہے
اُس سے کہنا کہ مِرا اصل تو افلاک میں ہے

اِک سِرا گُم ہے نمو بیز ستاروں میں کہیں
اِک سِرا وقت کا پیوست مِری خاک میں ہے

پا بہ پا رقص میں ہے ثابت و سیّار کے ساتھ
ایک عالم جو مِرے عالم اِدراک میں ہے

دیکھ اے چشمِ مہارت مِری جانب اِک بار
مَیں فقط ِگل نہیں گردش بھی مِرے چاک میں ہے

یوں لیے پھرتی ہیں آوارہ ہوائیں مجھ کو
جیسے اِک دشت کا امکان مِری خاک میں ہے

تم بھی چاہو تو کفِ تاب الُٹ کر دیکھو
کس قیامت کی حیا دیدۂ بے باک میں ہے

☆

کیا خُوب کہ ہو سکتا ہوں یا ہو نہیں سکتا
ہونا تو نہ ہونے سے جدا ہو نہیں سکتا

آلودۂ خوں لاکھ ہوں یاں ناخنِ مجنوں
وا پیچِ خمِ زلفِ دوتا ہو نہیں سکتا

کچھ درد ہی اِتنا ہے کہ اب تا بہ دمِ مرگ
یہ ہاتھ مِرے دل سے جدا ہو نہیں سکتا

مَیں بھی تو ہُوں اک عشق میں پابندِ سلاسل
کیوں ہاتھ وہ پابندِ حنا ہو نہیں سکتا

ماضی ہے مِری آنکھ کو ہر لمحۂ موجود
میرے لئے یاں کچھ بھی نیا ہو نہیں سکتا

قطرہ نہیں دریا ہے جو دریا میں ہے شامل
قطرہ کبھی دریا میں فنا ہو نہیں سکتا

یہ دل کہاں وہ ناوکِ مژگاں کہاں اے عشق
حق زخم چھپانے کا ادا ہو نہیں سکتا

☆

ڈھونڈو سخن میں ہوں کہ سخن میں نہیں ہُوں مَیں
ہُوں ایسا متن میں کہ متن میں نہیں ہُوں مَیں

خود مَیں ہی بے خبر ہوں کسی کو خبر ہو کیا
کیا ہُوں کہاں ہُوں، ہُوں کہ چمن میں نہیں ہُوں مَیں

عاجز ہُوں میری گمشدگی اے خدا معاف
ہُوں فن میں اتنا غرق کہ فن میں نہیں ہُوں مَیں

پھر یہ لباس کیوں جو نہیں مَیں لباس میں
پھر یہ کفن بھی کیوں جو کفن میں نہیں ہُوں مَیں

ہر شے ہے جب قیاس، تو اے وہم کیا کہوں
کس کی لگن میں کس کی لگن میں نہیں ہُوں مَیں

داخل ہُوا ہُوں جب سے مَیں اپنے مدار میں
کیا مہر و مہ کسی کے گہن مَیں نہیں ہُوں مَیں

☆

دنیا میں آئے دھول میں اَٹ کے چلے گئے
بَل اپنے کھولنے میں لپٹ کے چلے گئے

دھرنے کو دل پہ یاں نہ اُٹھا ہاتھ پر سے ہاتھ
کاموں سے لوگ اپنے نمٹ کے چلے گئے

حیرت سرائے دہر میں ہم حیرتیِ دہر
چیزوں کو بس اُلٹ کے پُلٹ کے چلے گئے

اِس دشتِ گم میں ہائے جو کہتے تھے خود کو گم
بھُولے ہوئے کدھر کے تھے بھٹکے چلے گئے

بکھرے پھر اک وجود سے پیدا کیا عدم
سمٹے پھر اِک عدم میں سمٹ کے چلے گئے

☆

شمعِ فنا کو مژدۂ صبحِ بقا سے کیا
اِس دردِ دل کو کام ہو آخر دوا سے کیا

کیوں بندِ چشم توڑ کے سینے میں در نہ آئے
سیلِ بدن رُکے ترے بندِ قبا سے کیا

روشن خود اپنے نُور سے ہے خلوتِ چراغ
اِس بے طلب کو آمد و رفتِ ہَوا سے کیا

پیوستِ شاخ ہو کے رہیں گے ہرے بھرے
ہوں گے جو برگِ رہ نہ اُڑیں گے ہَوا سے کیا

جز خامشی جواب نہیں کوئی میرے پاس
وہ پوچھ لے اگر کہ ہے مفہوم ''کیا'' سے کیا

دیکھا ہے کیا کہ گُم کیا حیرت میں اپنا آپ
چپ چپ کھڑے ہوئے ہو یہ تم آئنہ سے کیا

☆

جب آنکھ کھلی قطرے میں دریا نظر آیا
ذرّے میں کبھی دل کبھی صحرا نظر آیا

اِک بار جو دیکھا اُسے یوسفؑ کی نظر سے
آئینہ گزرگاہِ زلیخا نظر آیا

ہر آنکھ میں اِک آنکھ کی تاثیر نظر آئی
ہر زلف پہ اِک زلف کا سایہ نظر آیا

پڑتے ہی نظر جسم پہ تھم تھم کے پڑی آنکھ
کیا حسن تھا ہر عضو میں یکجا نظر آیا

کیا وقت گزرنے کا ملال اُس کو بہت ہے
جب دیکھا اُسے ہاتھ ہی ملتا نظر آیا

تھا شب کو پیالے میں جو ہم عکس دمِ صبح
خورشید کے پردے میں وہ چہرہ نظر آیا

اِک قطرۂ خوں تھا مگر اِک سیل کے مانند
گِرتا نظر آیا نہ ہی جمتا نظر آیا

☆

عشق سے حسن جھلکتا نظر آتا ہے مجھے
رخِ مجنوں رُخِ لیلیٰ نظر آتا ہے مجھے

اتنا شفّاف ہے یہ آئینۂ کون و مکاں
سانس لیتا ہوں تو دھندلا نظر آتا ہے مجھے

وحشتِ عشق کہاں مِنّتِ آئینہ کہاں
یاں تو دیوار میں چہرہ نظر آتا ہے مجھے

کچھ نظر آتا تو ہے دہر کے آئینے میں
نہیں معلوم مگر کیا نظر آتا ہے مجھے

یہ بھی کیا عالمِ حیرت ہے کہ اپنا ہی وجود
کبھی قطرہ کبھی دریا نظر آتا ہے مجھے

بے حجابیِ رُخِ گُل سے حجابِ گُل تک
تو ہی تو زمزمہ پیرا نظر آتا ہے مجھے

موج کے بعد فقط موج نہیں پیشِ جنوں
ایک دریا پسِ دریا نظر آتا ہے مجھے

شام قدموں سے نکلتی ہے تو اِک سایہ سا
اپنے سائے سے نکلتا نظر آتا ہے مجھے

جب خزاں آتی ہے میرے چمنِ دل کے قریب
ایک دروازۂ گُل وا نظر آتا ہے مجھے

☆

پردۂ محمل اُٹھے تو رازِ ویرانہ کُھلے
رازِ ویرانہ کُھلے تب جا کے دیوانہ کُھلے

بارِ ہفت افلاک بھی اِس ناتواں شانے پہ ہے
زلف سے کہنا کہ آہستہ سرِ شانہ کُھلے

قامتِ پروانہ قدِّ شمع سے کم ہے ابھی
کیمیا ہولے ذرا تو قدِّ پروانہ کُھلے

جب طلسمِ آئنہ خود ہو نقابِ آئنہ
چشم پر کیسے حجابِ آئینہ خانہ کُھلے

اُس قدر مے اُس کے پیمانے میں آتی جائے گی
جس قدر بھی جس پہ تہہ داریِ پیمانہ کُھلے

عاجزی و استواری، مستی و وارفتگی
کس پہ اب جز شمع بیتابیِ پروانہ کُھلے

کون لائے گا خبر تہہ کی سبو میں ڈوب کر
نام پر جس کے نیا اِک بابِ مے خانہ کُھلے

سب پہ کُھلنے کی ہمیں ہی آرزو شاید نہ تھی
ایک دو ہوں گے کہ ہم جن پر فقیرانہ کُھلے

☆

وحشتِ عشق کا ساماں نہ ہُوا تھا سو ہُوا
چاکِ دل تا بہ گریباں نہ ہُوا تھا سو ہُوا

اتنا ظاہر کیا مُجھ پر مِرے ہونے نے مجھے
کہ نہ ہونے کا جو عرفاں نہ ہُوا تھا سو ہُوا

مَوت نے جلوہ گری کی ہے کچھ ایسی مجھ میں
مجھ کو اپنا کبھی ارماں نہ ہُوا تھا سو ہُوا

کس قدر مَیں نظر آنے لگا عنقا خود کو
میری خاطر کوئی ارزاں نہ ہُوا تھا سو ہُوا

عشقِ خاموش کو مژدہ کہ بہ دستِ آتش
آپ تصویر کے شایاں نہ ہُوا تھا سو ہُوا

☆

اپنی کسی خلوت ہی میں سوچا ہُوا دیکھا
دیکھا یہاں جو کچھ بھی وہ دیکھا ہُوا دیکھا

ہر وقت یہ قلزم یونہی ٹھہرا ہُوا پایا
ہر وقت یہ دریا یونہی بہتا ہُوا دیکھا

کس نقش کو بنتا ہُوا دیکھا نہ سرِ خاک
کس نقشِ کفِ پا کو نہ مٹتا ہُوا دیکھا

اے چشمِ تحیّر یہ بتا وقت کو تو نے
ٹھہرا ہُوا پایا کہ گزرتا ہُوا دیکھا

جس حسن کا عاشق ہُوں میں اس حُسن کو مَیں نے
بے منّتِ آئینہ سنورتا ہُوا دیکھا

اِس گھر پہ تو وحشت ہی برستے ہوئے دیکھی
اِس چھت سے تو بس خون ٹپکتا ہُوا دیکھا

☆

ہم جہاں ہیں وہاں عالم کو دِگر کیوں نہ کہیں
نہیں آتی جو خبر اِس کو خبر کیوں نہ کہیں

اب ضروری تو نہیں ہے کہ در و بام بھی ہوں
جہاں وحشت ہو میّسر اُسے گھر کیوں نہ کہیں

دل لہو ہو کے جو ٹپکا ہے مِژہ سے سو اِسے
کیوں کہیں تیری نظر اپنا جگر کیوں نہ کہیں

جب نہ آرام کا نشّہ ہے نہ ہے تازہ دمی
کیوں کہیں اِس کو قیام اِس کو سفر کیوں نہ کہیں

آئنے توڑ کے آئے ہیں سروں سے اپنے
زہے وحشت تری دیوار کو در کیوں نہ کہیں

بات کہنے ہی پہ جب بات یہاں ٹھہری ہے
سر رہے یا نہ رہے بات مگر کیوں نہ کہیں

☆

وا چشم کر کہ فرصتِ دیدار پھر نہیں
تُو پھر نہیں یہ آئینہ زنہار پھر نہیں

یوُنہی سجا رہے گا یہ بازارِ کوئے دہر
ہم جیسے آپ اپنے خریدار پھر نہیں

یہ بار بارِ عشق ہے اے ناتوانِ عشق
یہ بار اُٹھ گیا تو کوئی بار پھر نہیں

سر پھوڑ لے جنوں میں کہ یکجائی پھر کہاں
سر پھر نہیں یہ سنگِ درِ یار پھر نہیں

کر لے رخِ ہزار سے نظّارۂ وجود
اے چشمِ گُل یہ آئینہ گلزار پھر نہیں

پھر ہے یہ بزم پھر ہے طلوعِ سبو و مہر
ساقی شراب دے کہ یہ میخوار پھر نہیں

دونوں ہی تشنہ کام ہیں ہونے دے معرکہ
گردن یہ پھر نہیں ہے یہ تلوار پھر نہیں

☆

شمعِ خلوت نہ بنا درخورِ محفل نہ ہُوا
ایک دل رکھتے تھے وہ بھی کسی قابل نہ ہُوا

یوں بھی زنجیر سی اِک گردِ قدم ہے ہر دم
کیا ہُوا گر کوئی پابندِ سلاسل نہ ہُوا

دشتِ امکاں میں پھرا بن کے بگولہ لیکن
یہ مہِ عیدِ تمنا مہِ کامل نہ ہُوا

دستِ لیلیٰ ہی اُٹھائے نہ ہی مجنوں سے اُٹھے
پردۂ ذات ہُوا پردۂ محمل نہ ہُوا

مجمعِ بوالہوساں دے کے صدا دُور گیا
میں اکیلا ہی رہا بھیڑ میں شامل نہ ہُوا

کاسۂ عشق بڑھاتا ہے کہ جاں دیتا ہے
واقفِ قیمتِ لیلیٰ ہُوا سائل نہ ہُوا

☆

ہُوا تصویر جب سے خود کو عریاں کرلیا مَیں نے
تماشا کر بہم حیرت کا ساماں کرلیا مَیں نے

مِلا تھا غیب سے ذرّہ اِسے کارِ جگر کہیے
کہ اِک ذرّے سے پیدا اِک بیاباں کرلیا مَیں نے

مجھے کیا فرق ہے اور کون ہے جو مجھ کو بتلائے
گریباں کرلیا یا چاک داماں کرلیا مَیں نے

خیالِ نَو بہ نَو میں ہاتھ سے دل نکلا جاتا ہے
یہی حالت رہی دل کی تو ارماں کرلیا مَیں نے

اُٹھانا اِک قدم بھی تھا جنوں کے ضعف سے مشکل
اُٹھا جب اِک قدم طے دشتِ امکاں کرلیا مَیں نے

جہاں پایا اُنہیں پھر آپ میں خود کو کہاں پایا
جہاں دیکھا اُنہیں بس خود کو حیراں کرلیا مَیں نے

اِسے خلوت میں پڑھ تجھ کو اگر خلوت میسر ہو
مکمل اپنی حیرانی کا دیواں کرلیا مَیں نے

☆

کب جزو میں کُل آخر یکجا نہ ہُوا ہوگا
ہے کون سا قطرہ جو دریا نہ ہُوا ہوگا

حسرت ترے جلوے کی پھر بھی ہے ہر اِک دل میں
ہے کون تِرا جس سے پردہ نہ ہُوا ہوگا

لے آئیں چلو دل کی ایسی ہی پڑی ہے تو
بازارِ جنوں میں تو عنقا نہ ہُوا ہوگا

اے وقت کے مرہم اب کچھ تو یہاں رہنے دے
اِک زخم ابھی ہے جو اچھا نہ ہُوا ہوگا

دیکھا ہے اُسے جب سے سوچا ہے اُسے جب سے
دیکھا نہ ہُوا ہوگا سوچا نہ ہُوا ہوگا

☆

صدا سے تیز تغیّر کی چال ہے کہ نہیں
بدل رہا ہے زمانہ کمال ہے کہ نہیں

یہ شکل حُسن کی ہیبت سے زرد ہے کہ نہیں
یہ آنکھ عشق کی وحشت سے لال ہے کہ نہیں

کہیں مِلے تو وہ پوچھے بغیر رہ نہ سکے
کوئی کہو کہ ہمارا وہ حال ہے کہ نہیں

ہمیشگی میں خلل ہے سکوت میں ہے خلل
یہ ایک دل کا دھڑکنا وبال ہے کہ نہیں

پڑے پڑے در و دیوار دیکھنے والے
ترا یہاں کوئی پرسانِ حال ہے کہ نہیں

☆

اِس طرح دھڑکتا ہے کوئی دل مِرے دل میں
ہو جیسے مِرا مدِّ مقابل مِرے دل میں

ہاتھوں سے تِرے غم کا سِرا چھُوٹ رہا ہے
یا ڈوب رہا ہے کوئی ساحل مِرے دل میں

رہنا تھا مِرے دل میں کسی غنچہ دہن کو
اور بس گیا اِک شورِ سلاسل مِرے دل میں

لپٹے رہے اِک چاند کے دامن سے کنائے
اِک درد سے ہوتی رہی جھلمل مِرے دل میں

اِک عشق تھا اب راکھ ہُوا خود نِگری میں
اب کچھ بھی نہیں ہے تِرے قابل مِرے دل میں

کچھ دن سے مِرا حال عجب ہے کہ رفیقو
آنسو بھی ٹھہرتا ہے بہ مشکل مِرے دل میں

☆

سب کا حق لے کے بھی محروم نظر آتا ہے
اتنا ظالم ہے کہ مظلوم نظر آتا ہے

اِس تماشے میں جو تم دیکھتے ہو روز و شب
کچھ بتاؤ کوئی مفہوم نظر آتا ہے

یہاں معلوم حقیقت ہے فقط نامعلوم
مجھ کو تو بس یہی معلوم نظر آتا ہے

نقش اُبھرا ہے جو اِک نقش کے خاکستر سے
یہ بھی ہوجائے گا معدوم ، نظر آتا ہے

یہ مِرا دل ہے کہ ہے صفحۂ لوحِ محفوظ
جس میں آئندہ بھی مرقوم نظر آتا ہے

ہر ادا قیس کی وحشت کی نظر سے دیکھو
جب وہ خوش ہوتا ہے مغموم نظر آتا ہے

☆

رفتار کی تیزی سے جل جائے نہ شام اے دل
دن ڈوبنے والا ہے آہستہ خرام اے دل

یا ہاتھ جلا لائے یا راکھ اُٹھا لائے
اب تک تو نہ ہاتھ آئی تاروں کی زمام اے دل

آئینۂ خودبینی اُس کو بھی قفس ٹھہرا
تجھ کو بھی محبت نے رکھا تہِ دام اے دل

ہر قطرۂ خوں تیری گردش میں دیا میں نے
پھر بھی تری دنیا کا چلتا نہیں کام اے دل

ساکت ہیں کہ جنباں ہیں جب تک یہ نہیں کھُلتا
تدبیرِ سفر کیسی کیا فکرِ قیام اے دل

پھر موسمِ دار آیا پھر سینۂ زنداں میں
گونجا ترا نام اے دل ہو تجھ پہ سلام اے دل

☆

عجب ہے خاک کا پردہ کہ ہم اُٹھا نہ سکے
گیا جو سوئے عدم پھر اُسے بُلا نہ سکے

تمام رات رہے گردِ شمع پروانے
مگر ہَوائے سحر سے اُسے بچا نہ سکے

نثار تجھ پہ لباسِ خزاں ، برہنہء عشق
کفن بھی چاہے تو قامت ترا چھپا نہ سکے

سن اے فدائے گُل و مُل خزاں ہے عیشِ دوام
بہار کیا ہے جو اِک گل کو بھی بچا نہ سکے

حیات بحر کی ہے موجِ واپسیں کوئی
کہ ریگِ عمر پہ اپنے قدم جما نہ سکے

یہی کہ پردۂ محمل میں مرگ بیٹھی ہے
یہ راز قیس کو ہم اہلِ دل بتا نہ سکے

بچھا ہُوا ہے ازل سے وہ فرشِ پُرسۂ مرگ
کہ ایک آن کو بھی دل سے ہاتھ اُٹھا نہ سکے

تھی مرگِ قیس کہ وحشت کو ریگِ دشت تھی کم
سو تا بہ حسرتِ دل خاک بھی اُڑا نہ سکے

☆

کسی پہلو بھی نہ دی جا مجھے دلدار کے پاس
دین و دنیا نے دیا بیٹھنے کب یار کے پاس

بجھ گیا شُعلہء مہر آکے مِرے دل کے قریب
تھک گیا آکے بیاباں مِری رفتار کے پاس

تجھ میں وہ حسن ہے اے جاں کہ بجز عہدِ وفا
کوئی چارہ ہی نہیں تیرے گرفتار کے پاس

اِک ترے خواب کی حسرت میں تِرا زندانی
رکھ کے سر سو گیا زنجیرِ گراں بار کے پاس

ایک سایہ سا بھٹکتا ہُوا آتا ہے نظر
تیرے در پر ترِی رہ میں ترِی دیوار کے پاس

لے اُسے بھی کیا آخر کو تری تیغ کی نذر
سر ہی بچتا تھا بس اِک تیرے خریدار کے پاس

کیا ہٹائے سرِ آئینہ سے گردِ وحشت
اب تو چہرہ ہی نہیں آئنہ بردار کے پاس

☆

لائے جو تابِ دل جگر ایسے کہاں کے تھے
پہنچے خبر کو بے خبر ایسے کہاں کے تھے

کوئی بھی دَر کھلا نہ تھا ہوتا اگر کھلا
آبیٹھتے کہ دَر بہ دَر ایسے کہاں کے تھے

بھرتے دہانِ زخم دلاسے کے ساتھ ساتھ
تھے چارہ گر بہت مگر ایسے کہاں کے تھے

وہ در کھلا نہ ہم پہ وہ دیوار ہی گری
نالے ہمارے بااثر ایسے کہاں کے تھے

موجودیِ وجود کی وحشت سہارتے
ہم ہی تھے ورنہ بام و در ایسے کہاں کے تھے

بے خوفیِ جنوں نے نکالے ہزار خوف
نکلے نہیں جو دل سے ڈر ایسے کہاں کے تھے

ہوتا بھی کس طرح مِری وحشت کا بندوبست
صحرا کہاں تھے ایسے، گھر ایسے کہاں کے تھے

ہر آن اُٹھتے بیٹھتے اپنی خبر میں گم
اے بزمِ عشق باخبر ایسے کہاں کے تھے

☆

انتہا کوئی نہیں ہے ابتدا ہونے کے بعد
عشق کیا ہے جان لو گے مبتلا ہونے کے بعد

اب بجز سجدہ گزاری کیا کریں جائیں کہاں
آنکھ ہی کھولی ہے جب تیرے خدا ہونے کے بعد

بس اِسی اُمید پر پیشِ فنا خاموش ہیں
اِک جہاں تعمیر ہوگا سب فنا ہونے کے بعد

مٹ چکی تمعیزِ دیوارِ حدِ دیر و حرم
تم نہ جانے آؤ گے اب اور کیا ہونے کے بعد

اک تجسّس تھا کہ تھا بس ایک حیرت ہے کہ ہے
آئینہ ہونے سے پہلے آئینہ ہونے کے بعد

جب تلک درد اِک تجسّس تھا مرے ہمراہ تھے
کیوں خبر لیتے نہیں درد آشنا ہونے کے بعد

☆

سر اپنا خون کرنے کی عادت نہیں گئی
سودا گیا جنوں گیا وحشت نہیں گئی

صدہا نگاہ و زلف و لب و قد کے باوجود
اُس حُسن کے خیال کی وحدت نہیں گئی

بس اِک جھلک، اُسے بھی ہُوئے عمر ہوگئی
پر آئینے کی آنکھ سے حیرت نہیں گئی

موسم کئی گزر گئے لیکن یہ حال ہے
دل پر سے رُعبِ حُسن کی ہیبت نہیں گئی

اِک بار اُس نگاہ پہ مرنے کے باوجود
اِک بار اور مرنے کی حسرت نہیں گئی

آباد کس کے نام پہ ہے خلوتِ نیاز
کیا اُس کے بام تک مری شہرت نہیں گئی

☆

کسے حریفِ خزاں و بہار کہیے گا
وہ رنگ کیا ہے جسے پائیدار کہیے گا

جو آج خاک ہے کَل اُس کو گُل پکاریے گا
جو آج گُل ہے اُسے کل غبار کہیے گا

لہُولہُان کہیں پر پڑا مِلوں تو مجھے
حریفِ گردشِ لیل و نہار کہیے گا

سلام کہیے گا اُن سے پھر اُن سے بعدِ سلام
ہمارا دل ہے بہت سوگوار کہیے گا

یہیں مَیں دفن ہوں سب اپنی حسرتوں کے تلے
یہ دل نہیں اِسے میرا مزار کہیے گا

☆

پلکوں پہ گردِ عمرِ تماشا لیے ہوئے
اِک چشم آئینے کو ہے حیراں کیے ہوئے

اِک عشق میں یہ عمر لٹائیں گے اور پھر
سوتے رہیں گے ایک ہی کروٹ لیے ہوئے

آنکھوں میں ہے وہ سرخیِ وحشت کہ الحذر
لگتا ہے جیسے اپنا لہو ہیں پیے ہوئے

اُس پار جا کے مت ہمیں زندوں میں کر شمار
آ دیکھ ایک عمر ہوئی ہے جیے ہوئے

رِس کر لہو نے فاش کیا چاکِ دل کا راز
ہر چند ہم تھے چاکِ گریباں سیے ہوئے

☆

کب دماغِ دل نہ تھا کب حسن سے یاری نہ تھی
تب سے تھی جب سبزۂ خط کی نموداری نہ تھی

دوڑتے پھرتے تھے اِک زنجیر سے اِک پھول تک
وہ بھی کیا دن تھے کہ تفہیمِ گرفتاری نہ تھی

کب نہ تکتے تھے بھلا چشمِ ستارہ سے اُسے
کب وہ شکلِ مہ غریقِ آئنہ داری نہ تھی

آملی نہرِ روانِ اشک سے کیا جوئے خوں
ورنہ پہلے کشتِ داماں پر یہ گلکاری نہ تھی

کھینچ لائی عمر شاید زخم کو آنکھوں تلک
جب لگی تھی ضرب دل پر اِس قدر کاری نہ تھی

بجھ گئی کیا شمعِ قندیلِ لب و رخسار و قد
کاغذِ رنگینِ دل پر یہ کم آثاری نہ تھی

عشقِ بے تیشہ سے تا کوہِ گرانِ روز گار
کب یہ دن ہلکا تھا مجھ پر کب یہ شب بھاری نہ تھی

دی صدا مقتل نے جب لبیک کہہ کر اُٹھ گئے
سر بکف ہم کب نہیں تھے کب یہ تیّاری نہ تھی

جب سلامت تھا جنوں تب زخم سے ناخن تلک
ایسی تنہائی نہیں تھی ایسی بے کاری نہ تھی

ہے وہی زنداں وہی ساماں جو پہلے تھا مگر
پاؤں میں زنجیر کی ایسی گراں باری نہ تھی

پھر غزل نے لی ہے انگڑائی کئی عشروں کے بعد
تھی غزل پہلے بھی پر یہ گرم بازاری نہ تھی

☆

تیزی نہ رہی خوں میں کہ اب دل نہ رہا وہ
دل ہو بھی تو کیا مدِّ مقابل نہ رہا وہ

کر لیتا میں کیا اُس کا جو غفلت بھی وہ کرتا
پر میری طرف سے کبھی غافل نہ رہا وہ

اب بھی مری رفتار وہی ہے مگر اے عشق
یہ کون سی منزل ہے کہ منزل نہ رہا وہ

سیکھے نہ بدلتے ہوئے صحرا سے نئے ڈھنگ
کیوں قیس رہے وہ کہ جو محمل نہ رہا وہ

ہوتا کوئی ہم دونوں میں آساں تو تھی مشکل
مَیں خود بھی تو مشکل تھا سو مشکل نہ رہا وہ

خود میں بھی تو پاتا نہیں پہلا سا وہ کس بل
کیونکر کہوں اب عشق کے قابل نہ رہا وہ

☆

دن کو ناکارہ و بے تاب پھرے، کون ہے یہ
شب کو بے نشّہ و بے خواب رہے ،کون ہے یہ

یا تو بے بات کرے گریہ و نالہ پیدا
یا کسی بات کی پروا نہ کرے، کون ہے یہ

لوٹتا ہے خس و خاشاک پہ لیکن خود کو
باعثِ گردشِ افلاک کہے، کون ہے یہ

شہر در شہر کرے کارِ مسیحائی مگر
خود کو اِک عمر کا بیمار کہے، کون ہے یہ

اُن کے کوچے میں جو اِک خاک بسر تھا کل شب
مر گیا اور وہ پوچھا ہی کیے، کون ہے یہ

☆

چہرے کے ساتھ زرد ہوئی رہگزار تک
کیسی خزاں گزر گئی دل پر بہار تک

اے پنجۂ خزاں تُو حریفوں کو کم نہ جان
لڑتے رہیں گے ایک گریباں کے تار تک

پیشِ نبرد ایک کے بعد ایک موج تھی
دریا ہی موجزن ملا دریا کے پار تک

گردش اِک اور ہے اِسی گردش سے متّصل
تیری نظر ہے حلقۂ لیل و نہار تک

یہ کاسۂ فلک میں ستارے یہ دل کے زخم
جیتا ہے کون اِن کے حساب و شمار تک

قدموں تلے سے تیز بہت رہگزر گئی
کچھ اتنی تیز، چھوٹ گیا دستِ یار تک

وہ آگ تھی کہ راکھ ہوئے جان و تن تمام
وہ ضبط تھا اُڑا نہیں کوئی شرار تک

اے دشتِ یادِ یار یہ کیا حال کرلیا
مدّت ہوئی یہاں سے نہ اُٹھا غبار تک

☆

یونہی بے سودا ہی جینا ہے تو سَر کا کیا کروں
دید بھی نادید ہو جب تو نظر کا کیا کروں

جب ارادہ ہی نہ ہو جب کوئی منزل ہی نہ ہو
پاؤں کا مَیں کیا کروں مَیں رہگزر کا کیا کروں

جب نہ اُڑنے اور اُڑنے کا محاصل ایک ہو
بے پری کا کیا کروں مَیں بال و پر کا کیا کروں

گو پڑی ہے عجلتِ دل کو سہولت کی مگر
اس اگر کا کیا کروں مَیں اِس مگر کا کیا کروں

بے بسی، وحشت، اُداسی ایک ہوجائیں تو پھر
گھر قفس کرلوں کہ صحرا کہیے گھر کا کیا کروں

☆

وحشت دیے کی لَو سے منہ اپنا مل رہی ہے
یہ لَو نہیں ہے لَو میں اِک شکل جل رہی ہے

اے وقت کچھ بتانا کیا عمر ہو گئی ہے
کونپل نکل رہی ہے زنجیر گل رہی ہے

یہ چاند اِک پیالہ مے سے بھرا ہُوا ہے
یہ رات جس سے پی کر نشّے میں چل رہی ہے

کیا آگ ہے مکیں میں گھر جس سے پھُنک رہا ہے
دیوار چھو کے دیکھو دیوار جل رہی ہے

کتنے جنم گئے ہیں سینے میں اشک بنتے
پلکوں پہ گو نمائش بس ایک پل رہی ہے

اے موت نیستی ہے آئینہ کس جہاں کا
تک تک کے جس کو دنیا ہستی میں ڈھل رہی ہے

اے ذات کے سمندر کیا ہے تہوں کے اندر
اِک روشنی مسلسل تہہ سے نکل رہی ہے

کہتا تھا جب تغیّر سنتا نہیں تھا کوئی
اب لوگ کہہ رہے ہیں دنیا بدل رہی ہے

☆

شاخ بے رنگ ہی رہتی ہے ثمر آنے تک
خشک رہتا ہے قلم مصرعۂ تر آنے تک

تلخیِ زیست نے کیا کیا نہ مزا چکھوایا
اپنے دانتوں کے تلے اپنا جگر آنے تک

اور بڑھ جاتا ہے صحرا جو بڑھاتے ہیں قدم
گردِ صحرا کہیں ہوجائیں نہ گھر آنے تک

آئنہ گرد سے پیدا ہے سیاہی سے کرن
یاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے نظر آنے تک

عجب اندازِ جنوں تھا ترے دیوانوں کا
بے خبر تجھ سے رہے اپنی خبر آنے تک

☆

وہ سر کو لہو کرنے کی حسرت کو ہُوا کیا
یہ عشق کہاں مر گیا وحشت کو ہُوا کیا

اے کام فسوں تھے جو تِرا کیا ہوئے وہ رنگ
تاخیر کہاں رہ گئی عجلت کو ہُوا کیا

ہر بات فقط رہ گئی بس بات برابر
کیا جانیے ہر بات کی شدّت کو ہُوا کیا

کیا کہیے توقع نے کہاں توڑ دیا دَم
شکوہ کہاں جا سویا شکایت کو ہُوا کیا

کیوں لگ گئی انکار کو اِک چپُ سی نہ جانے
ہر لمحہ وہ تکرار کی حالت کو ہُوا کیا

☆

یوں نہ خود کو سرِ آئینہ تماشا کرتا
چشم ہوتی نہ مَیں حیرت کی تمنا کرتا

بے کرانی کا سراب اُس پہ جو کھُلتا پسِ شوق
قطرہ خود کو نہ کبھی شاملِ دریا کرتا

مَیں خدا ہوتا تو کیا میں بھی پسِ بودو نبود
بیٹھ کر ہونے نہ ہونے کا تماشا کرتا

ہاتھ آتی عوضِ عمر متاعِ یوسفؑ
خود کو یہ عشق جو ہم تابِ زلیخا کرتا

حسن جو آپ ہو قامت میں قدِ آئینہ
اُس پہ حیرت کے سوا آئنہ بھی کیا کرتا

دل کہیں تھا نگہ و چشم کہیں ذہن کہیں
مہلتِ عمر میں کیسے اِنہیں یکجا کرتا

نہ سہی مژدۂ گل بادِ خزاں ہی آتی
کوئی آتا درِ زنداں تو کوئی وا کرتا

☆

کیوں مگر حد سے گزرنے کا تقاضا نہ کرے
درد پھر درد ہے کیا فکرِ مداوا نہ کرے

بس میں اُس کے بھی کہاں پردہ کشائی آخر
کہو مجنوں سے کہ اب مِنّتِ لیلیٰ نہ کرے

خود کو پانے کی تمنا میں نہ کھودے خود کو
اس سے کہنا کہ بہت آئینہ دیکھا نہ کرے

نہیں رکھتا میں خیال اپنا چلو یونہی سہی
نہیں کرتا کوئی پروا مری اچھا نہ کرے

کیا بتائیں جو خبر حال کی آتی ہی نہ ہو
حال ہم بے خبروں سے کوئی پوچھا نہ کرے

دل کے بدلے میں کہو دل سے کہ دل ہی مانگے
اِس سے کم پر کسی قیمت میں بھی سودا نہ کرے

☆

با خبر بے خبری کو ہی خبر جانتے ہیں
بے ہنر ہوتے ہیں جو لوگ ہنر جانتے ہیں

سمت کی کوئی خبر ہے نہ ستارے کا پتا
چلتے رہنے کو ہی یہ لوگ سفر جانتے ہیں

جانتے ہیں کہ جو ہیں جانتے در کو دیوار
جو نہیں جانتے دیوار کو در جانتے ہیں

بے پری کیا ہے کہیں کس سے پروں کے ہوتے
یہ خِرد باز تو بس پر کو ہی پر جانتے ہیں

کون جانے گا وہ تنہائی جو گزری مجھ پر
ہاں مگر وہ کہ جو قطرے کو گہر جانتے ہیں

یہ عبارت کہ جو بے زِیر و زَبر لکھی گئی
وہی سمجھیں گے کہ جو زِیر و زَبر جانتے ہیں

☆

آئینے گرد ہوگئے حیرت ہی رہ گئی
کارِ جنوں کے باب میں فرصت ہی رہ گئی

تھیں منزلیں کبھی سفرِ دل کی راہ میں
اب اِس سفر میں صِرف مسافت ہی رہ گئی

اے کاش دل پہ ٹوٹ کے دل بھی کسی کا آئے
کیا دل پہ ٹوٹنے کو قیامت ہی رہ گئی

اِس خاکِ بے دلی سے اُٹھے کس طرح یہ دل
اب وہ جنوں رہا نہ وہ شدّت ہی رہ گئی

ہنگامہ ہائے فرصتِ ہستی ہوئے تمام
کوئی کمال کرنے کی حسرت ہی رہ گئی

☆

کسی طرح بھی ہُوا دن کی شام کر کے چلے
کہ ہم بھی خاک نشینوں میں نام کر کے چلے

جنوں کے مارے ہوئے تیغ سے گلے مِل کر
کسی سے وصل کی حسرت تمام کر کے چلے

سو تم سماعت صوتِ ہزار لاؤ کہ ہم
خموشیِ لبِ گُل سے کلام کر کے چلے

مثالِ آبِ رواں ہے یہ باغ کس کو خبر
کہ مثلِ گُل یہاں ہم بھی قیام کر کے چلے

گواہ رہنا تُو اے خستگیِ عمرِ سوال
ہم اپنے ذمّے جو لائے تھے کام کر کے چلے

وہ سنگ و سر کا تماشا یہاں ہُوا کیا ختم
گلی سے ہم چلے ویراں وہ بام کر کے چلے

بس اتنا یاد ہے نشّے میں چُور تھے ہر چند
سلام اُس نے لیا ہم سلام کر کے چلے

☆

یہ کیا مقام ہے جیسا جو تھا جہاں نہ رہا
مکیں مکیں نہ رہا اور مکاں مکاں نہ رہا

بدل گئی مِری رفتار، سارے پیمانے
زمیں زمیں نہ رہی اور زماں زماں نہ رہا

جلا ہی دے گی جہاں آگ سے لپٹ کر آگ
مثالِ آب اگر مَیں ہی درمیاں نہ رہا

گلے لگی ہے مِرے موت جب سے اُس دم سے
غمِ حیات و فراقِ گزشتگاں نہ رہا

نظر میں آ گئی ہستیِ برگِ آوارہ
بہارِ زیست کو اندیشہء خزاں نہ رہا

سبک خرامی کی منّت کرے تو کس سے قیس
تھا ایک ناقہء لیلیٰ کا سارباں، نہ رہا

شعورِ عشق نے سب چھین لی ہے عمر مِری
نظر تو آتا ہوں لیکن میں نوجواں نہ رہا

☆

تیشہ بردوش و خستہ تن آیا
قصرِ شیریں میں کوہ کن آیا

اُس نے پہنا تو اُس کے قامت پر
جامۂ حسن بے شکن آیا

نُور ہی نُور تھا بدن اُس کا
سب کا سب پیرہن سے چھن آیا

یوں تو سب دیکھتے ہیں روزوشب
پر کسے دیکھنے کا فن آیا

شعبِ شب میں گیا برہنۂ شب
صبح اُوڑھے ہوئے کرن آیا

☆

مجھ کو تو ہے فقط مجھ ہی سے کام
تم سے یاں کون کررہا ہے کلام

کیوں کسی سے رکھوں کوئی سروکار
آپ آقا، میں آپ اپنا غلام

دل مِرا غیب، عقل میری شہود
کیسی یاں وحی کیسا یاں الہام

وہ نہیں دیکھتے جو دیکھتے ہیں
صبح کو صبح اور شام کو شام

وجہِ پیدائی حقیقت ہے
کچھ اگر ہے حقیقتِ اوہام

☆

کہاں سے لائیے دل اہتمام کرنے کو
خموشی چاہیے اُس سے کلام کرنے کو

وہ تیغِ تیزِ مِژہ جب کبھی بلند ہوئی
نگاہ پیش کی ہم نے نیام کرنے کو

بہت ہجوم سہی تیرے آس پاس مگر
کھڑے ہیں گوشے میں ہم بھی سلام کرنے کو

نہ وہ صلیب نہ وہ تیغ و خنجر و زہراب
وہ اِک اشارہ ہے قصہ تمام کرنے کو

یہ کائنات ہی جب میری ذات ٹھہری ہے
تو کیا جگہ ہے یہاں پر خرام کرنے کو

☆

اِسی پہ اپنے روز و شب کا اختتام کر لیا
جو راستے میں مل گیا اُسے سلام کرلیا

چلے تو دیکھتے چلے سفر کی بے دماغیاں
رکے تو سوچتے رہے کہاں قیام کرلیا

کفِ جنوں سے عشق کو نکال کر مثالِ مہر
کوئی کہو مَیں کیا کروں کہ یہ بھی کام کرلیا

سبک روی کی آنکھ پر ہوا نے ہاتھ کیا رکھا
ذرا پلٹ کے چاند نے سحر کو شام کرلیا

کھُلی ہیں جب سے ذہن پر خلا کی راہداریاں
کبھی خموش ہورہے کبھی کلام کرلیا

لیے لیے پھرے بہت کتابِ جاں کا انتساب
کوئی نہیں ملا کہیں تو اپنے نام کرلیا

☆

کیا کریں اِک عمر سے دل کا کہا کرتے نہیں
کچھ نہیں کرتے مگر کہنے کو کیا کرتے نہیں

درد کا قصّہ وہی ہے بس ذرا سا فرق ہے
جب دوا ملتی نہ تھی اور اب دوا کرتے نہیں

دیکھ لو سب خاک میں مِلتے کہ پھر دیکھو گے کیا
روز روز ایسے تماشے پھر ہُوا کرتے نہیں

روٹھنا کیا ہے چلو تم ہی منا لاؤ اُسے
اِک ذرا سی بے رخی پر دل برا کرتے نہیں

بے حسی اور آگہی کے دکھ میں ہے کس کو تمیز
کس کو بتلائیں کہ کیا کرتے ہیں کیا کرتے نہیں

☆

رو بہ رو تیرے یہ ابرو نہیں بدلا میں نے
جب سے بیٹھا ہوں یہ پہلو نہیں بدلا میں نے

رخنہ اندازِ سماعت رہے گو دار و قفس
قصّۂ قامت و گیسو نہیں بدلا میں نے

تھی زمانے کے بدلنے کی حقیقت کی خبر
اِس لیے خود کو سرِ مو نہیں بدلا میں نے

’تُو‘ سے ’مَیں‘ تک کا سفر میرے سفر کا ہے گواہ
یعنی آئینِ من و تو نہیں بدلا میں نے

بخیۂ چاکِ گریباں کے اُدھڑنے کی صدا
کہتی جاتی ہے کہ ہاہو نہیں بدلا میں نے

☆

رفتگاں کی بات چل نکلے تو پھر کیا صبح و شام
جس طرف سے چھیڑیے یہ ذکر ہے بے اختتام

دیکھیے ڈُھلتا ہے کب تک داغِ ناکامیِ عشق
دیکھیے چلتا ہے کب تک اِس طرح رونے سے کام

فرق بس یہ ہے کہ ہم نے تشنگی سے کی کشید
خضرؑ نے پائی ہے سیرابی سے جو عمرِ دوام

جیب و دامان و گریباں، بخیہ و چاک و رفو
عشق کے اِک کام سے کتنے نکل آتے ہیں کام

دل کی حالت شام ہوتے ہی بگڑ جاتی ہے روز
اور مِری وحشت بڑھانے روز آجاتی ہے شام

☆

یہ بھی کیا سوچنا پردہ ہو کہ پردہ ہی نہ ہو
کیا تماشا ہو اگر دیکھنے والا ہی نہ ہو

قیمتِ عشقِ زلیخا نہیں معلوم مگر
حُسنِ یوسفؑ ہے ٹکے کا جو زلیخا ہی نہ ہو

آج رخصت ہے تمنّا کی مگر یہ مِرا دل
ایسے خاموش ہے جیسے کبھی دھڑکا ہی نہ ہو

تیر وہ ہے کہ جگر سے نہ نکالے نکلے
زخم وہ ہے کسی مرہم سے جو اچھا ہی نہ ہو

بات وہ ہے جو کسی طرح بنائے نہ بنے
بوجھ وہ ہے کسی پہلو بھی جو ہلکا ہی نہ ہو

مَیں نے مانا کہ زمانہ نہیں سنتا لیکن
بَک رہا ہُوں مَیں جنوں میں کوئی سنتا ہی نہ ہو

☆

اے حسن طلب دل ترا خوں ہوگیا آخر
یوں چاہا تھا جو تو نے وہ یوں ہوگیا آخر

اے سنگ زنو! تم کو مگر اِس کی خبر کیا
جو عشق کبھی تھا وہ جنوں ہوگیا آخر

یہ دل گیا یا درد گیا یہ نہیں معلوم
معلوم تو بس یہ ہے سکوں ہوگیا آخر

اِک حال چھپانے میں رُخِ زردِ جنوں کا
وہ حال ہُوا ہے کہ زبوں ہوگیا آخر

ہونا تھا تو ہونا تھا کسی صاحبِ دل کو
اے عشق بتا تو مجھے کیوں ہوگیا آخر

☆

اُٹھا جو زخم رفو کر کے تیرا دستِ رفو
پھر اُس کے بعد نہ مَیں رہ گیا نہ رہ گیا تُو

عجب ہے عشق عجب عشق کی اذیّت ہے
نہ رُک رہا ہے وہ خنجر، نہ کٹ رہا ہے گلو

شکستگی سے یہ دیوانگی بڑھے تو بڑھے
بہار تو نہیں آئے گی توڑنے سے سبو

یہی ہُوا کہ ہُوا دامِ بے دلی کا شکار
نہیں تھا دل پہ کسی طَور بھی کوئی قابو

ملے ہیں کتنے تناسب سے آب و خاک و ہُوا
کہاں سے آئی ہے سبزے میں یہ ادائے نمو

☆

اے سرائے ترا دیا ہوں میں
مستقل جاگتا رہا ہوں میں

اِک سمندر بھگو رہا ہے مجھے
ایک کوزہ لیے کھڑا ہوں میں

کون آیا ہے جس کے آنے سے
روشنی میں نہا گیا ہوں میں

آپ اپنے سے جو نہیں واقف
کیا بتاؤں اُسے کہ کیا ہوں میں

بول اے بے بسی کہاں ڈھونڈوں
خود کو کھویا ہوا ملا ہوں میں

یہ تو اک عمر میں کُھلا مجھ پر
اپنے سائے میں پل رہا ہوں میں

مختصر یہ کہیں سے آیا تھا
اب کہیں اور جا رہا ہوں میں

☆

عہدِ سکوت شورِ سلاسل کہیں سے لا
مشکل میں پھر ہے عقل کوئی دل کہیں سے لا

اے بے دلیِ کارِ سہولت قسم تجھے
آساں جو کردے مَوت وہ مشکل کہیں سے لا

دل سے جو ولولہ کوئی اُٹھّے تو میں اُٹھوں
بے ولولہ ہے دل کوئی منزل کہیں سے لا

ایسا گیا کہ پھر نہیں آئی کوئی خبر
دل سے کہا تھا عشق کا حاصل کہیں سے لا

لذّت ہے میرے واسطے طوفاں کا زیر و بم
ہاں ناخدا کے واسطے ساحل کہیں سے لا

☆

بے بسر کی طرح سے خود کو بسر کرتے ہوئے
اَٹ گیا مَیں دھول میں صحرا کو گھر کرتے ہوئے

ہاتھ ہو جائیں گے زخمی دیتے دیتے دستکیں
یہ نہ سوچا مَیں نے خود کو در بہ در کرتے ہوئے

یہ خبر کب تھی کہ خود سے بے خبر ہو جاؤں گا
خود سے بے آگاہ کو خود کی خبر کرتے ہوئے

وائے شہرِ بے سماعت ہائے سنتا ہے کوئی
مر گیا مَیں آہ میں پیدا اثر کرتے ہوئے

اب تو کر لیجے سماعت آپ قصّہ عشق کا
آہ تک لے آئے ہیں ہم مختصر کرتے ہوئے

☆

آئینۂ خلوت میں سنورتا اُسے دیکھا
دیکھا ہے اُسے یوں کہ برہنہ اسے دیکھا

حیرت سے تماشے کو وہیں جم گئیں آنکھیں
جب بندِ قبا کی طرح کھُلتا اُسے دیکھا

ہر تہہ سے تھا ہر تہہ میں وہ شفّاف سراسر
جس رخ سے بھی آئینے کو دیکھا اُسے دیکھا

کیا ساغر و مینا و مے و نشّہ و خلوت
پھر کچھ نہ دکھائی دِیا ایسا اُسے دیکھا

سنتے ہیں بہت شہر میں یوسفؑ کے ہیں چرچے
کچھ تم کہو، تم نے بھی زلیخا اُسے دیکھا

☆

"اور رکھنے کو تو ہم دہر میں کیا رکھتے ہیں"
ہاں بس اک سب کے لیے حرفِ دعا رکھتے ہیں

دب نہ پائے گی یہ درباری اذانوں سے بھی
ہم جو اک سب سے الگ اپنی صدا رکھتے ہیں

روز اِک زخم اٹھا لاتے ہیں ہم تازہ و نَو
روز اِک آج کو ہم کل پہ اُٹھا رکھتے ہیں

تم بجز خوفِ خدا رکھتے ہو سب کچھ اور ہم
کچھ نہیں رکھتے مگر خوفِ خدا رکھتے ہیں

یہ مسیحا طلبی ڈھونڈ رہی ہے بیمار
درد رکھتے ہیں جو دل میں وہ دوا رکھتے ہیں

☆

خاکِ نمو بھی آبِ نمو بھی وہیں کا ہے
میں جس عدم سے آیا ہوں تُو بھی وہیں کا ہے

قائم ہے جس پہ سانس وہ جاں بھی وہیں کی ہے
گردش ہے یہ جہاں کی لہو بھی وہیں کا ہے

معجز نما ہیں ایک نمک پاش و چارہ گر
یہ زخم ہے جہاں کا رفو بھی وہیں کا ہے

دونوں پہ یہ تعلّق و بیگانگی ہیں راز
مَیں ہُوں جہاں کا میرا عدو بھی وہیں کا ہے

گھُل کر یہ کہہ رہا ہے رس آواز و ساز کا
نغمہ ہے یہ جہاں کا گلو بھی وہیں کا ہے

اب سُر چھڑے کہ تار چھڑے ایک ہی ہے بات
ہے خامشی جہاں کی یہ ھُو بھی وہیں کا ہے

ساقی و رند بھی ہیں وہیں کے نشے سے پوچھ
یہ مے جہاں کی ہے یہ سبو بھی وہیں کا ہے

☆

بڑھتی ہی جارہی ہے یہ وحشت کہیں چلو
شام آئی ہے لیے ہوئے فرصت کہیں چلو

بیٹھا ہی جا رہا ہے یہ دل اُڑ رہا ہے رنگ
گرتی ہی جارہی ہے طبیعت کہیں چلو

ہے چھوٹنے کو ناوکِ وحشت سے تیرِ شام
ہے ٹوٹنے کو دل پہ قیامت کہیں چلو

جانا تو ہے کہیں نہ کہیں شام ہو چلی
عادت کو کھینچتی ہے یہ وحشت کہیں چلو

کوئی کہیں نہیں ہے نہیں ہے کوئی کہیں
جب تک نہیں کھلے یہ حقیقت کہیں چلو

کون آئے گا تمہاری طرف کون آئے گا
خود ہی تلاش کرنے رفاقت کہیں چلو

☆

سوچا جو سفر زحمتِ سفر چل کے خود آیا
سایہ کبھی چاہا تو شجر چل کے خود آیا

گھومی نہ کبھی طاقتِ دیدار کی گردن
نظارۂ پس پیشِ نظر چل کے خود آیا

مجھ عشق کے گھائل کو اقامت کی نہ تھی تاب
جب اٹھ نہ سکا طوف کو در چل کے خود آیا

اے بے بسیِ عشق ترے بس کے میں صدقے
پرواز جو مانگی کبھی پر چل کے خود آیا

وارفتگیِ عشق ہے یا ہے کششِ تیغ
یاں تیغ کھنچی اور وہاں سر چل کے خود آیا

☆

بتا ہمیں دلِ نادان کیا ہُوا ہے ہمیں
ہیں بے سبب جو پریشان کیا ہُوا ہے ہمیں

نظر ہی ٹھہرے نہ حیرت کے کار خانے میں
نہ دل لگے کسی عنوان کیا ہُوا ہے ہمیں

پڑے ہوئے ہیں عجب مشقِ بے مشقّت میں
یہ ہو رہے ہیں جو ہلکان کیا ہُوا ہے ہمیں

نہ کوئی شکلِ تمنا نہ کوئی صورتِ خواب
کوئی امید نہ امکان کیا ہُوا ہے ہمیں

یہ کس سوال میں اٹکے ہوئے ہیں ہم اے دل
یہ کیوں نکلتی نہیں جان کیا ہُوا ہے ہمیں

☆

ہم پہ کھلا نہ کوئی در صبح سے شام ہوگئی
یونہی ہمیں اِدھر اُدھر صبح سے شام ہوگئی

قریہ بہ قریہ کو بہ کو کوچہ بہ کوچہ سو بہ سو
گام بہ گام در بہ در صبح سے شام ہوگئی

میں نہ طلوع ہوسکا میں نہ غروب ہوسکا
ہوگئی شام سے سحر صبح سے شام ہوگئی

کیسا قیام کیا سفر کیسی نگاہ کیا نظر
جھپکی اِدھر پلک اُدھر صبح سے شام ہوگئی

ہم تو نہیں ہیں کوئی در ہم تو نہیں کوئی شجر
ہم کو کھڑے کھڑے مگر صبح سے شام ہوگئی

کچھ بھی نہیں کیا مگر کچھ بھی نہ ہوسکا مگر
کچھ بھی نہیں ہُوا مگر صبح سے شام ہوگئی

☆

سب سے الگ جو طرزِ بیاں لے کے آئے ہیں
ہم اپنے منہ میں اپنی زباں لے کے آئے ہیں

آہنگ و رنگ و صَوت و معانی و حرف و لفظ
ہم اپنے ساتھ اپنا جہاں لے کے آئے ہیں

کوئی سنے تو ہم اثرِ نوحہ کے لیے
نالے کوئے میں لۓ میں فغاں لے کے آئے ہیں

جس گھر نیاز دے کے نکالا ملا ہمیں
یہ بت وہیں سے نازِ بتاں لے کے آئے ہیں

عیّاشِ فکر دانشِ حاضر کے ساہوکار
وعدے میں سود کے یہ زیاں لے کے آئے ہیں

☆

لہو بدلتے ہوئے استخواں بدلتے ہوئے
یہ عمر کٹ ہی گئی جسم و جاں بدلتے ہوئے

یہ درد پہلو بدلنے کی بھی جو مہلت دے
تو دیکھیں نیّتِ چارہ گراں بدلتے ہوئے

بس اتنی دیر جیے ہم کہ جتنی دیر لگی
زمیں بدلتے ہوئے آسماں بدلتے ہوئے

تو کیا ہے خانہ بدوشی اگر یہ ہجرت ہے
کہ عُمر بیت گئی آشیاں بدلتے ہوئے

کوئی بتاؤ ہمیں یہ جہاں بھی کچھ بدلا
کہ خود بدل گئے ہم یہ جہاں بدلتے ہوئے

☆

ہے کون سا کہ جو ہم پر ستم کیا نہ گیا
ستم! جو ہم پہ بنامِ کرم کیا نہ گیا

ہم اہلِ خضرؑ و مسیحاؑ نے کتنے سجدے کیے
مگر خدا کہ جو ہم سے صنم کیا نہ گیا

مگر عدم کہ جسے ہم وجود کر نہ سکے
مگر وجود جو ہم سے عدم کیا نہ گیا

نہ جانے حسن کی ہیبت نے کردیا کیا دم
قدم بھی عشق کے آہو سے رم کیا نہ گیا

دلِ گرفتہ میں یوں بے دلی نے جا کر لی
کہ مجھ غریب سے اپنا بھی غم کیا نہ گیا

ہمارے حال کو پہنچے کوئی تو کیسے کہ جب
ہمارا حال ہمی سے رقم کیا نہ گیا

☆

جہانِ کوزہ گراں میں بلا سے آئے کوئی
اُسے کسی نے بنایا ہو تو مٹائے کوئی

ہَوا ہی ساتھ اگر دے سکے تو دے ورنہ
غبار ہوگئے جب ہم تو کیا اٹھائے کوئی

کسے دماغ کہ محرومیاں شمار کرے
ہزار رنگ سے کرتا ہے ہائے ہائے کوئی

اگر ہوں جیب و گریبان و دامن و دل چاک
کہاں کہاں سے یہ وحشت بھلا چھپائے کوئی

کوئی بھی شعر ہمارا سنا دے بس اُس کو
ہمارا حال کسی کو اگر سنائے کوئی

☆

خلقت میں جب اِک نطفے سے ہیں روشن و تاریک
میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں تم اپنی جگہ ٹھیک

بے ناز و نیاز اِس کی نمود اِس کی حقیقت
یہ عشق کوئی دست درازی نہ کوئی بھیک

اٹھنا ہے اچانک ہی اگر پردۂ دیدار
پھر عینِ حقیقت نہ کوئی دور نہ نزدیک

جھکنا کہ جھکانا ہے ترے حسن کی توہین
جھکنا کہ جھکانا ہے مرے عشق کی تضحیک

بیکار گزرتے نظر آتے ہیں شب و روز
اے عشق کوئی ولولہ اے دل کوئی تحریک

☆

جو ابر ہے تو برس خاکِ بے نمو پہ نہ جا
تُو اپنے لطف کی کہہ میری آرزو پہ نہ جا

ہمارے آئنے میں تو بس اپنے حسن کو دیکھ
ہمارے نالہ و فریاد و ہاؤ ہُو پہ نہ جا

خطِ چہار گرہ سے مِرے جنوں کو نہ ناپ
جنوں کی پوچھ مِرے چاکِ بے رفو پہ نہ جا

وفورِ فرطِ محبت کو دیکھ چہرے پر
یہ کی نہ کی ہوئی لکنت کی گفتگو پہ نہ جا

لگی ہے اب تِری ساقی گری سے مے نوشی
سنبھال اپنی صراحی مِرے سبو پہ نہ جا

☆

ہم تو اِک عشق میں ہر کام بھُلائے ہوئے ہیں
کارِ دنیا اِسی بگڑی نے بنائے ہوئے ہیں

جس جہاں میں ہے زمانے کو تلاشِ مرہم
ہم تِرے زخم کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں

یہ جو سائے میں لگے بیٹھے ہیں دیوار سے ہم
کسے معلوم کہ دیوار اٹھائے ہوئے ہیں

ایک وحشت ہمیں اِس بزم میں لے آئی ہے
ہم نہ آئے ہوئے ہیں اور نہ بلائے ہوئے ہیں

کِس نَوشتے کی طرح خود کو پڑھیں ہم آخر
ایسے لکھّے ہوئے ہیں جیسے مٹائے ہوئے ہیں

ساتھ رونے نہیں آجاتے ہیں سب پونچھنے اشک
ہم کہاں جائیں جو دنیا کے ستائے ہوئے ہیں

☆

ہوئے زمانہ ہُوا بزمِ ہاؤ ہو برہم
جُدا صراحی صراحی سبو سبو برہم

سنیں جو بات تو لگتا ہے خبط ہے مفہوم
کریں جو بات تو ہے ربطِ گفتگو برہم

وہ جس سے کُنجِ شب و روز میں تھی اک تکرار
ہوئی خموش وہ "مَیں" ہوگئی وہ "تُو" برہم

کچھ ایسی آ کے پڑی درمیاں فنا کی گرہ
جو آئنہ سی تھی صحبت ہے رو بہ رو برہم

یہ کیوں نہیں ہے ٹھکانے پہ آج شام سے دل
میں بے حواس ہوں یا ہیں یہ چار سو برہم

☆

ترے جلالِ تکلّم کے آگے کیا کہوں مَیں
مِری مجال تو یہ بھی نہیں بجا کہوں مَیں

جسے نہ جان سکوں اُس کو کائنات کہوں
جسے سمجھ نہیں پاؤں اُسے خدا کہوں مَیں

یہ دُکھ تو عقل کا دکھ ہے بیاں کروں کس سے
یہ دل کی بات نہیں جو ہر اک سے جا کہوں مَیں

یہی ہے جینا مِرا کیا یہی ہے مرنا مِرا
سُنا ہُوا مَیں سنوں اور کہا ہُوا کہوں مَیں

وہ جس کے ہو گئے سب خود کو ڈھونڈنے والے
اُسے مَیں چہرہ کہوں یا کہ آئنہ کہوں مَیں

☆

جب دل کی کہی بات کا خوں ہوگیا ہوگا
اندوہ کے ماروں کو جنوں ہوگیا ہوگا

جیتے جی گیا ہوگا کہاں عشق کا آزار
جب مرگئے ہوں گے تو سُکوں ہوگیا ہوگا

جب وہ نہ ملا ہوگا تو موت آگئی ہوگی
جب یوں نہ ہُوا ہوگا تو یوں ہوگیا ہوگا

بس ہوگیا ہوگا یونہی اُس بُت سے ہمیں عشق
کیا پوچھتے ہو ہم سے کہ کیوں ہوگیا ہوگا

جس طرح جھُکا تھا مِرا سر سجدے میں اُس کے
بس اُس سے بھی یونہی مرا خوں ہوگیا ہوگا

☆

تجھ کو اے دل خبرِ بے خبری ہوگئی کیا؟
وہ جو حسرت تھی جنوں کی وہ پری ہوگئی کیا؟

کوئے طفلاں میں جو سر لے کے نکل آئے ہو
قابلِ سنگ یہ آشفتہ سری ہوگئی کیا؟

تم نے ہونے کو جو اک شکلِ عبث جان لیا
جینے مرنے سے بھی تم کو مفری ہوگئی کیا؟

دل کے جانے سے رُخِ زرد پہ ہے کیسا نکھار
رقم جو تم نے لگائی تھی کھری ہوگئی کیا؟

بُت تراشی میں وہ لذّت ہے نہ سجدے میں مزا
تھی ہنر میں جو مِرے بے ہنری ہوگئی کیا؟

☆

بقا کی کھوج میں سرِ فنا بھی کھودیا ہم نے
خدا تو کیا بنے ہم آئنہ بھی کھودیا ہم نے

حقیقت کی طلب میں وہم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے
کہ قربت کی ہوس میں فاصلہ بھی کھودیا ہم نے

سمجھ بیٹھے تھے جس کو ہم خدا بس ایک خلا تھا وہ
اِدھر کچھ دن سے احساسِ خلا بھی کھودیا ہم نے

خودی نے بے خودی میں بھی خدا سے جوڑ رکھا تھا
خودی کیا کھوگئی ہم سے خدا بھی کھودیا ہم نے

سوائے ہاتھ شل ہونے کے اپنے ہاتھ کیا آیا
کہ "ہے" بھی کھودیا ہم نے کہ "تھا" بھی کھودیا ہم نے

☆

میرا قاتل سُن کے میری آہ سنّاٹے میں ہے
میں کراہا ہوں تو مقتل گاہ سناٹے میں ہے

بے سوالی پر مِری عقل و جنوں ہیں لاجواب
میری غفلت پر ہر اِک آگاہ سناٹے میں ہے

گونجتی ہے عرش سے تا فرش بس میری صدا
ہر گدا خاموش ہے ہر شاہ سناٹے میں ہے

کس سماعت پر کھُلا ہے حاصلِ صوت وسکوت
خواہ کوئی شور میں ہے خواہ سنّاٹے میں ہے

جُز خموشی کون جانے اُس کی منزل کا سکوت
جس مسافر کے سفر کی راہ سناٹے میں ہے

ہے ہمارے دل میں بھی حسرت کہ حاضر ہوں وہاں
سنتے ہیں چپ شاہ کی درگاہ سناٹے میں ہے

☆

آئینے پر جمی ہوئی حیرت کو دیکھنا
کیا بار بار ایک ہی صورت کو دیکھنا

حاصل یہ ہے کہ ایک ہی ہے صفر کا حساب
منفی کو دیکھنا کبھی مثبت کو دیکھنا

اے وقت تُو کہیں بھی کسی کا ہُوا ہے کیا
کیا تجھ کو دیکھنا تری ساعت کو دیکھنا

دانشورانِ وقت ہوں جب محوِ گفتگو
چُپ رہ کے درمیاں مِری وحشت کو دیکھنا

پہلے تو کام دیکھنا میرا ورائے وقت
پھر کام میں دبی ہوئی فرصت کو دیکھنا

☆

یہ سوچ بننا ہے کیا تجھ کو کیا بنا ہُوا ہے
خدا کا کیا ہے کہ وہ تو خدا بنا ہُوا ہے

دبا سکا نہ صدا اُس کی تیری بزم کا شور
خموش رہ کے بھی کوئی صدا بنا ہُوا ہے

میں چاہتا ہوں مسیحا کے دل میں بھی رکھ دوں
وہ درد میرے لیے جو دوا بنا ہُوا ہے

یہ کارِ عشق ہے رکھ اپنے انہماک سے کام
نہ دیکھ بگڑا ہُوا کیا ہے کیا بنا ہُوا ہے

بسی ہوئی ہے مرے عشق سے تری خلوت
ترا جمال مرا آئنہ بنا ہُوا ہے

تمہاری بزم میں حیرت سے ہے کوئی تصویر
کوئی ادب سے ہے ساکت، دیا بنا ہُوا ہے

جو چاہیے ہے ہمیں وہ ہمیں مُیسر ہے
قدم اٹھے ہوئے ہیں راستا بنا ہُوا ہے

☆

کچھ کہو اور نہ کچھ سنو صاحب
بس کہ تصویر ہو رہو صاحب

کر رہا ہے سکوت تم سے کلام
ہمہ تن گوش ہو رہو صاحب

وہ خموشی ہو درمیاں اے کاش
دل کہے اور تم سنو صاحب

ہے اگر تم کو سَیر کی خواہش
کسی کونے سے جا لگو صاحب

نغمہ و نوحہ بے اثر ہوں جہاں
چپ نہ ہو چیخنے لگو صاحب

پہلے کھولو تم اپنا بندِ حجاب
اک ذرا کُھل کے پھر کُھلو صاحب

☆

زندگی سے جو تنگ آتا ہوں
چوک پر آ کے بیٹھ جاتا ہوں

کچھ سُنی اَن سُنی میں سُنتا ہوں
کچھ کہی اَن کہی سُناتا ہوں

ہے یہی کچھ بہ نامِ آب و غذا
پیاس پیتا ہوں بُھوک کھاتا ہوں

یہ نوالہ کسے نصیب میاں
میں جو اپنا جگر چباتا ہوں

تیر و تلوارو مجھ پر ٹوٹ پڑو
زخم کھا کر میں لہلہاتا ہوں

☆

عقل و نگاہ و دل کا تقاضا بدل گیا
آنکھیں تو کھول دیکھ زمانہ بدل گیا

تو جانے کِس گمان میں ہے کس خیال میں
دنیا کے سوچنے کا طریقہ بدل گیا

تو اب بھی رو رہا ہے اُسی جمع و خرچ کو
دنیا بدل گئی غمِ دنیا بدل گیا

انساں پہ اپنے ہونے کے اسرار کیا کھلے
مفہومِ حال و ماضی و فردا بدل گیا

اک روز میرے خواب کے مانند یہ جہاں
بدلے گا ، میں نہ کہتا تھا ، دیکھا، بدل گیا

☆

حیرت کے دن گزر گئے وحشت بھی ہو چکی
اب کیا نیا کریں کہ محبت بھی ہو چکی

اب کیا نیا سوال کریں چشمِ یار سے
غفلت بھی ہو چکی ہے عنایت بھی ہو چکی

اب اور کیا ہے جس کا ہے اِس دل کو انتظار
اب ہو چکا ہے وصل بھی حسرت بھی ہو چکی

اب عقل کیا کرے کسے لائے خیال میں
اب آ گہی بھی ہوچکی غفلت بھی ہو چکی

اب جی بھی لیں تو کیا ہے جواب مر بھی لیں تو کیا
بے حالتی بھی ہو چکی حالت بھی ہو چکی

☆

ہر طرف سے اٹھا لیا ہے دل
بے دلی میں لگا لیا ہے دل

کیسی تنہائی کیسی ویرانی
اک خلش سے بسا لیا ہے دل

دل کی حسرت نے دل کی وحشت نے
کھالیا ہے چبا لیا ہے دل

جیسا درکار تھا محبت کو
ہم نے ویسا بنا لیا ہے دل

اب تو بس رہ گیا ہے ایک سوال
کھودیا ہے کہ پالیا ہے دل

☆

اے دل حقیقتِ پسِ پردہ تلاش کر
ممکن ہو گر تو وجہِ تماشا تلاش کر

دل میں اگر ہے تیرے تمنائے سیرِ عرش
محفل میں کائنات کی گوشہ تلاش کر

اے غرقِ حال دائرۂ حال سے نکل
ماضی کی تہہ میں گم ہے جو فردا تلاش کر

ہے ایک ہی حقیقتِ امکانِ جزو کُل
دریا میں قطرہ، قطرے میں دریا تلاش کر

تنہائی میں نہ گم ہو نہ یکتائی میں ہو قید
کر ایک ''ھُو'' کی جستجو اک ''ھا'' تلاش کر

نظارہ ہائے حیرتِ گُل سے گزر نویؔد
کیا راز ہے شگفتنِ گُل کا تلاش کر

☆

مانگتا ہُوں خدا سے خدا کی پناہ
چھوڑ آیا ہُوں میں مسجد و بارگاہ

یہ فضائل مِرے یہ مصائب مِرے
واہ بَر واہ وا ، آہ بَر آہ آہ

تجھ پہ لعنت ہیں مُنکر تری نیکیاں
مجھ پہ رحمت ہیں واللہ میرے گناہ

ہے ٹھہرنا تجھے ہے گزرنا مجھے
تیری منزل جُدا ، ہے الگ میری راہ

ہو گیا قتل تُو بھی مرے ساتھ ہی
تھا مرے قتل کا تُو ہی واحد گواہ

☆

رنگ دینے کو رنگ اُجاڑ دیے
اُس نے بننے کو کیا بگاڑ دیے

مَیں نے پُوچھا تھا پیار ہے کتنا
اُس نے شہہ رگ میں دانت گاڑ دیے

شکوہ و درد و رنج و حزن و ملال
گرد کی طرح دل سے جھاڑ دیے

جستجو، خواب، آرزو، حسرت
جڑ سے سارے درخت اُکھاڑ دیے

اک جنوں میں مسوّدے لکھ کر
ایک وحشت میں مَیں نے پھاڑ دیے

خبط نے دی ہے معرفت تجھ کو
یا ترے عقل و دل اُجاڑ دیے

☆

کب کسی دل کو دُکھاتا ہُوں مَیں پاگل پن میں
اپنی ہی جان کو آتا ہُوں مَیں پاگل پن میں

اپنے ہی سَر پہ مَیں دے مارتا ہُوں آخرِ کار
جب کبھی سنگ اُٹھاتا ہُوں مَیں پاگل پن میں

سبھی عشّاق جسے چوم کے رکھ دیتے ہیں
ہائے وہ وزن اُٹھاتا ہُوں مَیں پاگل پن میں

سنگ پر سنگ برستے چلے جاتے ہیں جہاں
رقص کرتا چلا جاتا ہُوں مَیں پاگل پن میں

یہ جو پھیلی ہوئی اک سَرمدی خاموشی ہے
اِسے آواز بناتا ہُوں مَیں پاگل پن میں

یہ جو دیتا چلا جاتا ہُوں ستاروں کو نظام
خاک اُڑاتا چلا جاتا ہُوں مَیں پاگل پن میں

کوئی ہذیان اِسے کہتا ہے کوئی کہتا ہے وحی
یہ جو بولے چلا جاتا ہُوں مَیں پاگل پن میں

خود سے ہی خود کو بری کرتا ہُوں اے دیدہ ورو
اپنے ہی رنگ نہاتا ہُوں مَیں پاگل پن میں

☆

کیوں سوچوں خُدا ''ہے'' خُدا ''نہیں'' ہے
یعنی یہ مِرا مسئلہ نہیں ہے

کس بحث میں اُلجھے ہوئے ہیں حضرت
اِس بحث کا کوئی سِرا نہیں ہے

تم ہو، کہ تم نہیں ہو، بس یہ سوچو
کیا سوچنا کہ کیا ''ہے'' کیا ''نہیں'' ہے

تم سب سے الگ ہی سوچتے ہو
اِس طرح کوئی سوچتا نہیں ہے

یہ درد تو ہے درد ِ درد مندی
اِس درد کی کوئی دوا نہیں ہے

آنا بھی کوئی واقعہ نہیں تھا
جانا بھی کوئی سانحہ نہیں ہے

ہاں ہوگا نویدؔ بھی کوئی شاعر
ہم نے تو یہ نام سُنا نہیں ہے

☆

خموش سا کہیں کھویا ہُوا سا رہتا ہے
وہ سب کے بیچ نہ رہتا ہُوا سا رہتا ہے

نیا بساتا ہے ہر صبح اک جہانِ اُمید
ہر ایک شام جو اُجڑا ہُوا سا رہتا ہے

اُلجھ اُلجھ کے اُسے جانے کیا ہے سُلجھانا
جو اپنے آپ میں اُلجھا ہُوا سا رہتا ہے

کوئی نہیں کہ مِلا ہو جو اُس سے مِل کر بھی
وہ دیکھ کر بھی نہ دیکھا ہُوا سا رہتا ہے

خدا ہی جانے اُسے کیا سمیٹنا ہے نوؔید
جو صبح و شام وہ بکھرا ہُوا سا رہتا ہے

☆

کون تھا مجھ کو جو احساس دِلاتا، کہ مَیں ہُوں
مجھ کو تو میرے نہ ہونے نے بتایا، کہ مَیں ہُوں

کون ہے جس کو کہ درکار ہے ہونے کا جواز
وہم نے پُوچھا، مگر کوئی نہ بولا، کہ مَیں ہُوں

آتش و آب و ہَوا، خاک و خموشی و صدا
مَیں نے کس کس سے یہ جا جا کے نہ پُوچھا، کہ مَیں ہُوں

میں نے کیا دیکھا پسِ آئینۂ ہست و وجود
ہائے جب خود کو ہی مَیں نے نہیں دیکھا، کہ مَیں ہُوں

مَیں نے کیا جانا نہیں جانا اگر عالمِ "ھُو"
مَیں نے کیا پایا اگر خود کو نہ پایا، کہ مَیں ہُوں

وقت کی قید سے آزاد یہاں کوئی نہیں
کون سمجھے گا، کہ مَیں تھا، کہ مَیں ہوں گا، کہ مَیں ہُوں

☆

خود سے گُزرے تو قیامت سے گُزر جائیں گے ہم
یعنی ہر حال کی حالت سے گُزر جائیں گے ہم

عالمِ ''ھُو'' دلِ بینا کو نظر آئے گا
یعنی ہر حیرت و حسرت سے گُزر جائیں گے ہم

ختم ہو جائے گی سب کشمکشِ حرف و عدد
یعنی ہر منفی و مثبت سے گُزر جائیں گے ہم

نہ مکاں ہوگا مکاں اور نہ زماں ہوگا زماں
یعنی ہر تنگیِ و وسعت سے گُزر جائیں گے ہم

ہم کو معلوم نہیں تھا ہمیں ہو جائے گا عشق
ہم نے سوچا تھا سہولت سے گُزر جائیں گے ہم

☆

نہ ہوتے حال سے بے حال، حالت سے گُزر جاتے
پڑی کیا تھی محبّت کی سہولت سے گُزر جاتے

اگر اُن پر تماشائے وصال و ہجر کھُل جاتا
یہی ہوتا وہ ہر دُوری و قربت سے گُزر جاتے

گزر کر خود سے ہوتے ماورائے قطرہ و دریا
گُزر جاتے وہ خدّ و خال و قامت سے گُزر جاتے

اسیرِ کثرتِ جلوہ نہ ہوتے صیدِ یکتائی
پہنچتے عالمِ ''ھُو'' میں جو خلوت سے گُزر جاتے

سما جاتی نگاہِ ''ھُو'' میں روحِ آئنہ خانہ
جو کثرت سے گُزر جاتے تو وحدت سے گُزر جاتے

ہمیشہ کے لیے ''ہے'' اور ''نہیں'' سے جان چھُٹ جاتی
گُزر جاتے وہ ہر تقویم و ساعت سے گُزر جاتے

☆

مجھے تو سوچ کر یہ بات وحشت ہو رہی ہے
جسے دیکھا نہیں اُس کی عبادت ہو رہی ہے

بنا دیکھے اُسے مانا نہ مانا جا رہا ہے
بہ نامِ دید توہینِ بصارت ہو رہی ہے

جسے دیکھو وہ دَوڑا جا رہا ہے غیب کی سمت
یہ نشّہ کون سا ہے کیا ریاضت ہو رہی ہے

ستم یہ ہے حقیقت کے گلے پر رکھ کے خنجر
خدا وندا تصور کی عبادت ہو رہی ہے

ٹھکانے لگ گئے اقرار اور انکار والے
یہاں ہر سانس صرفِ بے دریّت ہو رہی ہے

☆

ہے وہاں صرف ایک ''ھُو'' کو ثبات
میں جہاں ہُوں وہاں نہ دن ہے نہ رات

خامشی سے ہوئی تھی بات شروع
خامشی پَر ہی ختم ہوگئی بات

یہ سمجھنے کو چاہیے ہیں جنم
مَوت کی کوکھ میں بنی ہے حیات

گھومتے رہیے اپنی ''مَیں'' کے گِرد
آپ کا مسئلہ ہیں ذات و صفات

بعد میں سوچیے کہ ''ھُو'' کیا ہے
پایئے پہلے ماء و تو سے نجات

☆

اُلٹا، سیدھا، کہا، سُنا، "لیکن"
تیری حُجّت کا ہر سِرا "لیکن"

کیا خموشی و گفتگو کہیے
ابتدا "لیکن" انتہا "لیکن"

"ممکن" و "گویا" "شاید" و "یعنی"
یا "گماں" یا قیاس یا "لیکن"

اور تیرا جواب کیا "امکان"
اور تیرا سوال کیا "لیکن"

"ویکن" آیا مگر نہ تیرے ہاتھ
تیرے اندر اُلجھ گیا "لیکن"

وائے حسرت تجھے خدا نہ ملا
مُجھ کو انسان مِل گیا لیکن

تیرے اندر ہی تھی دلیلِ دلیل
تُو ہی خود سے نہیں مِلا لیکن

ہوگیا ہو کے لا جواب، خموش
مطمئن تو نہیں ہُوا لیکن

☆

آ دیکھ اے شکارِ طلسمِ نبود و بود
پانی بھی میرا جسم ہوا بھی مِرا وجود

جو ہے بجائے خود وہی شے ہے وہی خیال
حیراں ہیں کیا مشاہدہ و شاہد و شہود

ہاں بس ہَوا نے کھینچ لیا پردۂ حجاب
موجود خود چراغ کی لَو میں تھی موجِ دود

یا دستِ کوزہ گر میں ہے تاثیرِ کہکشاں
یا گردشِ زمیں کو ہے کچھ وحشتِ نمود

ہاں قید ہے خرابۂ فطرت میں میری ذات
ہاں وقت کے خلل سے بھی ٹوٹا نہیں نمود

ہاں بجھ رہے گا اپنی ہی خلوت کی آگ میں
موجود سے نکل کے کہاں جائے گا وجود

☆

مگر ہے کیا یہ اگر سے گُزر گئے تو کھُلا
حیات کس میں ہے پنہاں جو مر گئے تو کھُلا

مگر نہیں ہے حقیقت کچھ اور ''ھُو'' کے سِوا
جدھر کوئی نہ گیا تھا اُدھر گئے تو کھُلا

نہ کوئی شے نہ کوئی جنس کوئی اِسم نہ جسم
ٹھہر کے ''ھُو'' میں جو ''ھُو'' سے گُزر گئے تو کھُلا

جنوں میں ہم نے گُزاری ہے کتنی بے رنگی
ترے جہان میں ہم رنگ بھر گئے تو کھُلا

یہی جواز تھے جینے کا اور مرنے کا
ستم تو یہ ہے کہ جب زخم بھر گئے تو کھُلا

نہ جیتے یوں تو ستائش کی مَوت مَر جاتے
گُزر کے بات سے جب بات کر گئے تو کھُلا

☆

آپ کا انتظار کر رہے ہیں
ہم خزاں کو بہار کر رہے ہیں

گِن رہے ہیں ہم اپنے زخموں کو
وہ ستارے شمار کر رہے ہیں

آج سے ہم خدا کے بارے میں
خامشی اختیار کر رہے ہیں

ہم سے وہ کر رہے ہیں وعدۂ وصل
اور ہم اعتبار کر رہے ہیں

آپ بھی ہیں امیدوارِ وصال
آپ بھی انتظار کر رہے ہیں

باز کب آ رہے ہیں عشق سے ہم
غلطی بار بار کر رہے ہیں

سب جسے ترک کر چکے ہیں نویدؔ
ہم اُسے اختیار کر رہے ہیں

☆

ہر نفس محنت کے عادی ہوگئے
یعنی ہم فُرصت کے عادی ہوگئے

آپ کہتے ہیں جسے بے حالتی
ہم اُسی حالت کے عادی ہوگئے

اتنے دِن تُو آنکھ سے اوجھل رہا
ہم تری فُرقت کے عادی ہوگئے

یہ توجّہ، یہ عنایت، یہ کرم
ہم تری غفلت کے عادی ہوگئے

اب کہاں کا ہجر کا ہے کا وصال
اب تو ہم وحشت کے عادی ہوگئے

ایک ہی آئینہ تھا پیشِ نظر
ایک ہی حیرت کے عادی ہوگئے

اک پَری خلوت میں ہم کو لے گئی
اور ہم خلوت کے عادی ہوگئے

تُو نہیں آئے تو کیا آئے تو کیا
ہم تری غَیبت کے عادی ہوگئے

اب کہاں چھٹتا ہے نشّہ عشق کا
اب تو ہم اِس لَت کے عادی ہوگئے

☆

''ہے'' اور ''نہیں'' کا آئینہ مُجھ کو تھما دیا گیا
یعنی مِرے وجود کو کھیل بنا دیا گیا

میرا سوال تھا کہ میں کون ہُوں اور جواب میں
مجھ کو ہنسا دیا گیا مجھ کو رُلا دیا گیا

میرے جنوں کو تھی بہت خواہشِ سیر و جستجو
مجھ کو مُجھی سے باندھ کر مجھ میں بٹھا دیا گیا

نَیں نے کہا کہ زندگی، درد دیا گیا مجھے
مَیں نے کہا کہ آگہی، زہر پلا دیا گیا

خواب تھا میرا عشق بھی خواب تھا تیرا حُسن بھی
خواب میں یعنی ایک اور خواب دکھا دیا گیا

☆

وائے بے نسبتی، نسبت بھی اُسی سے ہے مُجھے
جس سے نفرت ہے مُحبّت بھی اُسی سے ہے مُجھے

کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ تعلّق کیا ہے
جس سے راحت ہے اذیّت بھی اُسی سے ہے مُجھے

چاہتا ہُوں سحر و شام اُسی کا دیدار
اُس پہ یہ طُرفہ کہ وحشت بھی اُسی سے ہے مُجھے

میرے پہلو میں جو بیٹھا ہے مِرا دل بن کر
کھوئے رہنے کی یہ عادت بھی اُسی سے ہے مُجھے

جبکہ مِلتا ہے وہی صرف وہی مِلتا ہے
نہیں مِلتا یہ شکایت بھی اُسی سے ہے مُجھے

خود ہی کتراتا ہُوں مِلنے سے میں جس کے سرِ راہ
پھر نہ مِلنے کی شکایت بھی اُسی سے ہے مُجھے

کیسا عاشق ہُوں کہ بے دام بِکا جس کے سبب
چاہیے عشق کی قیمت بھی اُسی سے ہے مُجھے

مُجھ کو جس شدّتِ اظہار نے آگھیرا ہے
کون جانے کہ یہ لُکنت بھی اُسی سے ہے مُجھے

☆

برائے سحر یہ سارا جہاں پڑا ہُوا ہے
زمیں پڑی ہوئی ہے آسماں پڑا ہُوا ہے

نکل تلاشِ حقیقت میں اے مسافرِ وہم
اگرچہ راہ میں تیری گماں پڑا ہُوا ہے

ہزار رایت و پرچم بہت نشان و علم
ہے جس کے پاس خبر بے نشاں پڑا ہُوا ہے

ہر ایک شخص ہے مصروف کوئی کیوں پُوچھے
یہ کس تلاش میں تُو رائیگاں پڑا ہُوا ہے

کسے ہے حُسن کی حسرت کسے ہے فرصتِ عشق
ابھی تو سامنے کارِ جہاں پڑا ہُوا ہے

نویؔد کو تو نہیں ہوشِ اوّل و آخر
اُسے خبر ہی نہیں ہے کہاں پڑا ہُوا ہے

☆

ناتمام و تمام ہے ہی نہیں
ننگ کا کوئی نام ہے ہی نہیں

مَیں وہاں کہنا چاہتا ہُوں کُچھ
جہاں جائے کلام ہے ہی نہیں

سُن یہ قدَ قامتِ الصّلوٰۃ سے کہہ
سجدہ اُٹھنے کا نام ہے ہی نہیں

بات کو تو ہے بات سے سروکار
حاجتِ خاص و عام ہے ہی نہیں

اے خُدا کیوں کروں تِرا پیچھا
جب مُجھے تجھ سے کام ہے ہی نہیں

مجھ کو آنکھیں دِکھا رہا ہے کیا
میرے منہ میں لگام ہے ہی نہیں

کیا اشارے سے حَد میں آئے گا
جس کا کوئی مقام ہے ہی نہیں

''ھُو'' کا ہے یہ سفر جنابِ مَن
اِس سفر میں قیام ہے ہی نہیں

☆

رزقِ ہستی حلال تو کیجے
سوچیے تو سوال تو کیجے

کون ہُوں، کیا ہُوں، کیوں ہُوں، کیسا ہُوں
خود سے یونہی سوال تو کیجے

چاہے صورت کوئی بنے نہ بنے
حسرتِ خدّ و خال تو کیجے

ایسی بھی کیا ہے بے دلی صاحب
بے دِلی کا ملال تو کیجے

کتنی بے مِثل ہے نزاکتِ حُسن
پیش کوئی مثال تو کیجے

جو کہے گا وہ، مان لیں گے آپ
اجی کچھ قیل و قال تو کیجے

کون ہے معترف ہے حاسد کون
آپ کوئی کمال تو کیجے

آپ سے پوُچھیں لوگ آپ کا حال
اپنا کچھ ایسا حال تو کیجے

☆

نہ مَرا جاتا ہے مجھ سے نہ جیا جاتا ہے
بولا جاتا ہے نہ خاموش رہا جاتا ہے

جانکنی جیسے لرزتی ہے دیے کی لَو میں
نہ بجھا جاتا ہے مجھ سے نہ جلا جاتا ہے

جانے یہ ضُعف کا عالم ہے کہ سرمستی ہے
سنبھلا جاتا ہے خدایا نہ گِرا جاتا ہے

مسئلہ میرا ہے مجھ کو ہے حقیقت کی تلاش
میں مروں یا کہ جیوں آپ کا کیا جاتا ہے

اے خدا مجھ کو تتمّہ نہیں دیتا کوئی
جو بھی آتا ہے نئی بات بتا جاتا ہے

بات جو آئی ہے دل میں وہ نکالوں کیسے
کیسے روکوں کہ مِرے دل سے خدا جاتا ہے

بے نیازی ہے جتانا تو خدا سے ملیے
ورنہ انسان سے تو جُھک کے مِلا جاتا ہے

ایسا لگتا ہے کہ تُو بھی کہیں دل دے بیٹھا
رویا جاتا ہے جو تجھ سے نہ ہنسا جاتا ہے

ذکر جب چھڑتا ہے اُس چشم کے بیماروں کا
یہ بتاؤ کہ مِرا نام لیا جاتا ہے

☆

کسی دھندلائی ہوئی شام سے نکلا ہُوا ہُوں
گھر سے کیا جانیے کس کام سے نکلا ہُوا ہُوں

مَیں نہ انکار نہ اقرار مِرا کیا ہوگا
راندۂ کفر ہُوں اسلام سے نکلا ہُوا ہُوں

مستیِ شرمِ گنہ اور یہ تہذیبِ طواف
مَیں عجب ننگ ہُوں احرام سے نکلا ہُوا ہُوں

کچھ سُنائی نہیں دیتا ہے بجز شور ابھی
خامشی میں ترِے ہنگام سے نکلا ہُوا ہُوں

کیسے کرلوں تجھے یک لخت حقیقت تسلیم
تازہ تازہ ابھی اوہام سے نکلا ہُوا ہُوں

کیا تعجّب ہے اگر ''ھُو'' ہے ٹھکانا میرا
بے خودی میں بھی ترِے جام سے نکلا ہُوا ہُوں

☆

درمیاں پردہ خدا کا تھا، اٹھایا عشق نے
جب کہ خلوت میں مجھے مجھ سے ملایا عشق نے

اک حصارِ حُسن کھینچا ، نور کا ہالا بُنا
دل کی مسند پر مجھے لا کر بٹھایا عشق نے

ڈال کر دھمّال ، کر کے رقص ، ہو کر مست و مست
حُسن کو ظاہر کیا، خود کو چھپایا عشق نے

کر کے ''تنہائی'' عطا اور کر کے ''یکتائی'' عطا
میری خاطر ''ھُو'' کا اک عالم سجایا عشق نے

اپنے بُرج، اپنے ستارے، اپنے سورج، اپنے چاند
اک جہاں سب سے الگ اپنا بسایا عشق نے

سازِ فطرت میں سمائی ہے اُسی سے ''کُن'' کی لَے
وہ جو نغمہ خامشی کا گنگنایا عشق نے

☆

جاری ہے آ گہی کا سفر ''مَیں'' سے ''ھُو'' تلک
کر لے بس ایک بار نظر ''مَیں'' سے ''ھُو'' تلک

کیا ڈھونڈتا ہے خود کو زمان و مکاں کے بیچ
او بے خبر ہے تیری خبر ''مَیں'' سے ''ھُو'' تلک

تو اپنے دل کی راہگزر اختیار کر
لے جائے گی یہ راہگزر ''مَیں'' سے ''ھُو'' تلک

یعنی کہیں قیام نہیں درمیان میں
یعنی سفر ہے بعدِ سفر ''مَیں'' سے ''ھُو'' تلک

اِک شمع جل رہی ہے مگر راہِ عشق میں
اک راستا کُھلا ہے مگر ''مَیں'' سے ''ھُو'' تلک

☆

جہاں میں غُلغُلہء علم و آگہی تو ہُوا
خودی کا نغمہ چھڑا رقصِ بے خودی تو ہُوا

ہوائے تازہ تو آئی نگار خانے میں
شعور و فکر کو احساسِ تازگی تو ہُوا

بشر کو چشمہء آبِ بقا کی فکر ہوئی
چلو یونہی سہی کچھ ردِّ تشنگی تو ہُوا

زمانہ مقصدِ منصور تک تو آ پہنچا
چلو کہ شورِ اَنا لحق گلی گلی تو ہُوا

کسی نے بات تو چھیڑی اَنائے مطلق کی
سکوتِ مرگ میں اک شورِ زندگی تو ہُوا

☆

بھید اُس کا مصوّر کوئی پا ہی نہیں سکتا
تصویر کے پردے میں وہ آ ہی نہیں سکتا

خاموشی کو کیا نغمہ بنائے گا مُغنّی
سازوں میں سرُوں میں وہ سما ہی نہیں سکتا

کس بھاؤ میں بھید اُس کی حقیقت کا چھپا ہے
رقاص تو وہ بھاؤ بتا ہی نہیں سکتا

واللہ وہ آتا ہی نہیں صفر و عدد میں
حد اُس کی کوئی ڈھونڈ کے لا ہی نہیں سکتا

جو پہلے الف سے ہے جو ہے بعد میں یے کے
حرف اُس کی حقیقت کو دکھا ہی نہیں سکتا

وہ کون ہے، وہ کیا ہے ''نہیں'' ہے کہ وہ ''ہے'' ہے
امکان بھی شکل اُس کی بنا ہی نہیں سکتا

ہوتا نہیں کیوں خود ہی وہ گُم عالمِ ''ھُو'' میں
جب کوئی پتا اُس کا بتا ہی نہیں سکتا

☆

دل سے ہر واہمہ گزار دیا
زندگی نے تو ہم کو مار دیا

کر دیا دل میں "ھُو" کا سنّاٹا
یا صحیفہ کوئی اُتار دیا

اِس قدر بھی میں بے جواز نہ تھا
کیوں مجھے میرے مُنہ پہ مار دیا

کون جانے کہ عشق نے تو ہمیں
بے قراری میں ہی قرار دیا

دل دیا بھی تو کیا دیا تُو نے
اے خُدا جب نہ اختیار دیا

چار و ناچار و نامُراد و مُراد
وقت جیسا بھی تھا گُزار دیا

☆

سوچیے مَت یہ تماشا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے
ہونا کیا ہے نہ ہونا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے

حیرت کی یہ دُنیا کیا ہے اُلٹا کیا ہے سیدھا کیا ہے
آپ کو کیا یہ کھلونا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے

آنا کیا ہے جانا کیا ہے کھونا کیا ہے پانا کیا ہے
جینا کیا ہے مرنا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے

رات سے دن کا نکلنا کیا ہے دن میں رات کا چھُپنا کیا ہے
سوچنا کیا ہے سمجھنا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے

کوئی اُلجھے کوئی سلجھے کوئی ڈوبے کوئی اُبھرے
آپ کو لینا دینا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے

کیسا ٹھہرنا کیسا گُزرنا سب کو ہے جینا سب کو ہے مرنا
غورو فکر کا جھگڑا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے

رونا بھی اک کام ہے صاحب ہنسنا بھی اک کام ہے صاحب
فارغ رہ کر کرنا کیا ہے روتے رہیے ہنستے رہیے

☆

آپ ہر حال کی حالت سے گُزر کیوں نہ گئے
وصل کو مَر رہے تھے، وصل میں مَر کیوں نہ گئے

معبد و بُت کدہ و مسجد و میخانہ و دیر
لوگ جاتے ہیں جدھر آپ اُدھر کیوں نہ گئے

کفر و ایماں تو درِ دیر و حرم پر ٹھہرے
آپ کافر نہ مسلمان گُزر کیوں نہ گئے

کس سے کہیے کہ ہے کیا حالِ دلِ آوارہ
کون سمجھے گا کہ گھر جا کے بھی گھر کیوں نہ گئے

آئینہ خانہ اگر لازمِ ہستی ہے تو پھر
ہم بگڑ کیوں نہ گئے آپ سنور کیوں نہ گئے

یار کے دَر پہ اگر جانا ضروری ہی تھا
خوں میں تر کیوں نہ گئے خاک بہ سَر کیوں نہ گئے

اِتنی یکسوئی جناب اِتنا تنوّع توبہ
مُنتشر کیوں نہ ہوئے آپ بکھر کیوں نہ گئے

☆

کسی ہَوا میں نہ آنا کہیں نہیں جانا
چراغ گھر میں جلانا کہیں نہیں جانا

ہزار عقل کی گھاتیں ہزار عشق کے دام
کوئی فریب نہ کھانا کہیں نہیں جانا

یہ چھوٹی چھوٹی سی خوشیاں یہ چھوٹے چھوٹے سے غم
انہی میں دل کو لگانا کہیں نہیں جانا

تمہیں جہاں کہیں جانا ہے جاؤ دیدہ ورو
مجھے کہیں نہیں جانا کہیں نہیں جانا

نہ مے کدہ نہ حرم اور نہ دیر و بت خانہ
مجھے ہے ہوش میں آنا کہیں نہیں جانا

ہے شش جہات میں مجھ کو یہ کُنجِ عالمِ ''ھُو''
یہیں ہے کرنا ٹھکانا کہیں نہیں جانا

☆

جنوں ہے یا کوئی سودا تجھے ہُوا کیا ہے
بنا ہُوا ہے تماشا تجھے ہُوا کیا ہے

خدا نہیں کہ خدا ہے تجھے یہی ہے بحث
کبھی خموش بھی ہوجا تجھے ہُوا کیا ہے

قبول ہے تجھے دَیر اور نہ ہے حرم برداشت
ہر اک سے شہر میں جھگڑا تجھے ہُوا کیا ہے

خدائی بانٹنے والے مجھے بتا تو سہی
ہے تیرے ہاتھ میں کاسہ تجھے ہُوا کیا ہے

ہزار نبض شناس و ہزار چارہ ساز
کسی پہ کچھ نہیں کھُلتا تجھے ہُوا کیا ہے

دوا خموش، دعا گنگ، چارہ گر ساکت
بتا دے اب تو خدارا تجھے ہُوا کیا ہے

☆

دے کے سر مَیں نے کسی پر کہاں احسان کیا
عالمِ ''ھُو'' میں قدم رکھنے کا سامان کیا

مَوت بھی پڑگئی کم عشق میں مرنے کے لیے
پڑ گیا وصل بھی کم ایسا کچھ ارمان کیا

ہجر میں جینا تھا اور وصل میں مرنا تھا مجھے
مرحلہ عشق کی مُشکل نے ہی آسان کیا

آپ کو بھی کوئی آزار لگا جیتے جی
اپنے ہونے نے بہت ہم کو تو ہلکان کیا

عشق سے کام الگ کب کیا ہم نے صاحب
ہم نے تو کارِ جہاں عشق کے دوران کیا

☆

خود سے اکتائے ہُوئے کیسے جیا کرتے ہیں
صُبح کا کرتے ہیں کیا، شام کا کیا کرتے ہیں

جان لیتے ہیں جو دُنیا کی حقیقت کیا ہے
اپنی کہتے نہیں کچھ سب کی سُنا کرتے ہیں

نہیں آتی، مگر آتی ہے متانت اُن میں
جو تحمّل سے ہر اِک بات سُنا کرتے ہیں

وعدہ کرتے نہیں اوّل تو کبھی وعدہ شناس
وعدہ کرتے ہیں تو پھر وعدہ وفا کرتے ہیں

کوئی بھولا، کوئی بھٹکا، اِدھر آتا ہی نہیں
ہم تو آواز پہ آواز دیا کرتے ہیں

ہم کسی سے بھی کدورت نہیں رکھتے دل میں
جس سے ملتے ہیں محبت سے ملا کرتے ہیں

آپ بے موت ہی کیوں گڑ گئے خاموشی سے
مرنے والوں کے جنازے تو اُٹھا کرتے ہیں

☆

کیا ہمیں سوُجھی کہ ہم نے عقل کو دل کر لیا
اِتنی آساں زندگی کو اِتنا مُشکل کر لیا

نوحہ و فریاد و ماتم، گریہ و اندوہ و غم
اپنی تنہائی کو ہم نے خود ہی محفل کر لیا

کارِ دل، کارِ جہاں، کارِ جنوں، کارِ خرد
کام کی حسرت میں ہم نے خود کو کاہل کر لیا

بے حواسی، بے خیالی، بے دماغی، بے دلی
ہم نے اپنے حال میں اِن کو بھی شامل کر لیا

ابتدا بے ابتدا تھی انتہا بے انتہا
آخرش ''ھُو'' کے سفر کو ہم نے منزل کر لیا

☆

راہ میں دل ہار جانا اور ہے
کُو بہ کُو کی خاک اُڑانا اور ہے

اور ہے دنیا پہ کرنا لعن طعن
اپنی اِک دنیا بسانا اور ہے

اور ہے ناکامیوں سے لینا کام
فتح کے دھوکے میں آنا اور ہے

اور ہے مشغول رہنا کام میں
بیٹھ کر باتیں بنانا اور ہے

اور ہے پی کر بھی رہنا ہوش میں
بن پیے ہی لڑکھڑانا اور ہے

اور ہے رہنا زمیں پر بن کے بوجھ
بارِ ہفت افلاک اُٹھانا اور ہے

اور ہے رونا اندھیرے کو نوید
اک چراغ اپنا جلانا اور ہے

☆

کر کے خود اپنی آڑ بیٹھ گئے
ہم تو سب چھوڑ چھاڑ بیٹھ گئے

اُس نے کیا دیکھا بے نیازانہ
ہم بھی دامن کو جھاڑ بیٹھ گئے

دیکھتے دیکھتے ہی اے حسرت
کیسے کیسے پہاڑ بیٹھ گئے

کیا دِکھاتے ہم اختیارِ جنوں
بس گریباں کو پھاڑ بیٹھ گئے

کچھ نظر آئے یا نہ آئے نظر
ہم تو نظروں کو گاڑ بیٹھ گئے

☆

افلاک کی تنہائی بھُلانے چلے آئے
دنیا میں جو ہم خاک اُڑانے چلے آئے

ہم وسوسہ انجام ہوئے راندۂ جنّت
یاں مرنے کو جینے کے بہانے چلے آئے

اے شورِ من و تُو تری محفل سے بہت دُور
ہم دشت کو خاموشی سنانے چلے آئے

ہے راز پسِ راز ہے پردہ پسِ پردہ
اِس راز سے ہم پردہ اُٹھانے چلے آئے

بہتر تھا کہ سوئے ہوئے انساں کو جگاتے
تم خواب پسِ خواب دکھانے چلے آئے

☆

موت کی تفہیم کو کب آگہی سمجھا گیا
آمد و رفتِ نفس کو زندگی سمجھا گیا

اور ہی نکلے مفاہیمِ صراط المستقیم
جب ہماری گمرہی کو راستی سمجھا گیا

بندگی تیری سراسر کافری پائی قرار
جب ہماری کافری کو بندگی سمجھا گیا

اُس کے پردے سے ہی نکلیں گے خدا و اہرمن
دیکھ لینا تم جو انساں کو کبھی سمجھا گیا

کیوں نہ فرشِ عشق پر میں عقل کا ماتم کروں
تھی وہ سیرابی کہ جس کو تشنگی سمجھا گیا

دانشِ حاضر پہ روؤں یا ہنسوں میں، جب مجھے
صوفی گردانا گیا اور فلسفی سمجھا گیا

چُپ رہا جب تک تو بُت اندر خدا تھا میں نویدؔ
بات کی میں نے تو مجھ کو آدمی سمجھا گیا

☆

یہ ہو رہے ہیں جو بے حال اپنے حال سے ہم
سوال ہم سے ہے یارب کہ ہیں سوال سے ہم

ورائے اوّل و آخر یہ مسئلہ ہے وہیں
خیال ہم سے ہے یارب کہ ہیں خیال سے ہم

پَسِ وجود بہت بحثِ نقل و اصل ہوئی
مگر ہوئے نہیں ثابت کسی مثال سے ہم

میانِ وہم و حقیقت، میانِ شکّ و یقیں
خود اپنے واسطے ہیں ممکن و محال سے ہم

خدا و بندہ سبھی زیرِ بحث آئے مگر
نہ مسئلہ ہُوا حل، ہوگئے نڈھال سے ہم

جواب بعدِ سوال اور سوال بعدِ جواب
چُھڑائیں جان تو کس طرح اِس وبال سے ہم

ہمارے حالِ پریشاں کی پُوچھتے کیا ہو
کہیں تو کیا کہ پریشاں ہیں اپنے حال سے ہم

☆

اپنا مذاق دل کو اُڑانے نہیں دیا
سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا

اُلجھائے رکھا جیب و گریباں کے تار میں
اہلِ جنوں نے وقت کو جانے نہیں دیا

کرتا تو کیا یہ ہم پہ حقیقت کو آشکار
اِس وہم نے فریب بھی کھانے نہیں دیا

قصّے میں ڈھونڈتا رہا ہر شخص اپنا آپ
کردار قصّہ گو کو نبھانے نہیں دیا

روداد یہ ہے دوریِ منزل کے خوف نے
پہلا قدم کسی کو بڑھانے نہیں دیا

اک تو خوشی سے دُور رکھا اُس پہ یہ ستم
اِس بے دلی نے غم بھی منانے نہیں دیا

☆

رنگوں کو برہنہ کروں تصویر بنادوں
آ اے ہوسِ شعر تجھے میر بنادوں

جب آنکھ کھُلے تیری کھُلے عالمِ ''ھُو'' میں
آجا ترے ہر خواب کو تعبیر بنادوں

تُو رقص کرے ثابت و سیّار پہن کر
لولاک تلک صاحبِ تسخیر بنادوں

پھر تجھ کو کروں اسم و معانی سے بَری مَیں
بے حرف و عدد سی کوئی تحریر بنادوں

پھر تیرے نشانے سے نہ باہر ہو کوئی شَے
آجا میں ارادے کو تِرے تیر بنادوں

آجا میں تِرا ہاتھ تِرے ہاتھ میں دے دوں
کُن تجھ کو عطا کردوں فلک گیر بنادوں

☆

ہُوں ابھی ''کون'' اور ''کیا'' ہُوں ابھی
یعنی خود سے نہیں مِلا ہُوں ابھی

ابھی فطرت پہ کر رہا ہُوں غور
نہ بُرا ہُوں نہ میں بھلا ہُوں ابھی

ہُوں ابھی بے شعورِ سمت و مقام
نہ چلا ہُوں نہ میں رُکا ہُوں ابھی

سوچا سمجھا بھی ہو رہوں گا کبھی
مَیں نے مانا کہا سُنا ہُوں ابھی

کررہا ہوں میں بحثِ معنی و اسم
میں جو خود پر نہیں کھُلا ہُوں ابھی

بحث تو جانے کب سے جاری ہے
شاملِ بحث مَیں ہُوا ہُوں ابھی

☆

نیا زمانہ آنا ہے دُنیا کو آگے جانا ہے
بربادی ایک بہانا ہے دُنیا کو آگے جانا ہے

شبنم کو شعلہ لکھنا ہے ماضی کا نوحہ لکھنا ہے
فردا کا نغمہ سنانا ہے دُنیا کو آگے جانا ہے

جو تخلیق کا مقصد ہے جو تحقیق کا مقصد ہے
اُس مقصد کو پانا ہے دُنیا کو آگے جانا ہے

سیّارے نئے بسانے ہیں نئے چراغ جلانے ہیں
فرش کو عرش بنانا ہے دُنیا کو آگے جانا ہے

بات یہی دہرانی ہے آج کی کل تو آنی ہے
بس اِیک قدم اُٹھانا ہے دُنیا کو آگے جانا ہے

☆

پاس کب آ رہا ہے دل میرا
دُور ہی جارہا ہے دل میرا

اے خدا خیر سب جہانوں کی
آج گھبرا رہا ہے دل میرا

ایسا سنّاٹا ایسی خاموشی
مُجھ کو یاد آ رہا ہے دل میرا

کتنا بھُوکا ہے یہ مُحبت کا
مجھ کو ہی کھا رہا ہے دل میرا

زخم و مرہم کے اِس تماشے سے
اب تو اُکتا رہا ہے دل میرا

دین و دُنیا کا چھیڑ کر قصّہ
مجھ کو بہلا رہا ہے دل میرا

جان دینے کو جا رہا ہُوں وہیں
جہاں لے جا رہا ہے دل میرا

پھیلتی جا رہی ہے شام نوؔید
ڈوبتا جا رہا ہے دل میرا

☆

نارَسی کے سوال میں گُم ہے
"مَیں" مجھی کے سوال میں گُم ہے

کیا ستم ہے "نہیں" ہے جس کا جواب
دل اُسی کے سوال میں گُم ہے

مَیں نے دیکھا کہ زندگی کا جواب
زندگی کے سوال میں گُم ہے

جتنی بھی روشنی ہے دُنیا میں
روشنی کے سوال میں گُم ہے

وقت کی قید سے رہائی بھی
وقت ہی کے سوال میں گُم ہے

آدمی تو فقط وہی ہے کہ جو
آدمی کے سوال میں گُم ہے

کون سمجھے کہ زندگی کا سِرا
مَوت ہی کے سوال میں گُم ہے

☆

رویا کیوں جائے ہنسا کیوں جائے
نغمہ و نوحہ سُنا کیوں جائے

کہنے سُنّے کی کیا حقیقت ہے
کہا کیوں جائے سُنا کیوں جائے

کیا ہے مقصودِ جادہ و منزل
چلا کیوں جائے رُکا کیوں جائے

کون سمجھائے سب ہی ہیں مصروف
کوئی بھی کام کیا کیوں جائے

صاحبو! مَوت سے کسے ہے بحث
یہ بتاؤ کہ جیا کیوں جائے

جلوۂ حُسن ہو جہاں آزاد
دل کو پابند کیا کیوں جائے

''کیا'' سے پہلے یہ سوچ لینا تھا
''کیوں'' کا دیوانہ بنا کیوں جائے

ہو رہی ہے اِدھر اُدھر کی بات
بات کو رنگ دیا کیوں جائے

کون سی خاص بات ہے اِس میں
آپ کا شعر سُنا کیوں جائے

ہو جہاں ذکر شاعری کا نویدؔ
تیرا ہی نام لیا کیوں جائے

☆

کس طرح مَرتے ہیں جب اہلِ جنوں مَرتے ہیں
مَر کے دکھلاؤں گا اک روز کہ یوں مَرتے ہیں

عشق کیوں کرتے ہیں کیا اِس میں چھُپا ہے کوئی راز
مَوت سے پہلے جو مَرتے ہیں تو کیوں مَرتے ہیں

ہائے کیا عشق ہے کرتے ہیں خود اپنا ماتم
لے کے خود اپنے ہی سَر اپنا ہی خوں مَرتے ہیں

کب وہ مَرتے ہیں مگر تم کو نہیں اُن کا شعور
زندہ رہتے ہیں، مَیں کس طرح کہوں مَرتے ہیں

مَوت تو سب کو ہی آجائے گی مَر مَر کے سہی
ہاں مگر وہ کہ جو مَرنے سے فُزوں مَرتے ہیں

☆

کچھ تو رہتا ہے نہیں عِلم کہ کیا رہتا ہے
یہ خلا رہتا ہے دل میں کہ خدا رہتا ہے

دل چلا جائے تو رہ جاتی ہے حسرت لیکن
دل سے حسرت ہی چلی جائے تو کیا رہتا ہے

عقل حیراں ہی رہی کھُل نہ سکا اُس پہ یہ راز
دل ہے دیوانہ کہ دیوانہ بنا رہتا ہے

اپنی تنہائی مَیں اے کاش سلامت لے جاؤں
زندگانی تِرا مِیلا تو لگا رہتا ہے

گر ٹھکانے پہ نہ ہوں عقل و دل و گوش و زباں
نہ کہا رہتا ہے باقی نہ سُنا رہتا ہے

زندگی کیا ہے یہی سوچتا رہتا ہوں نویدؔ
اِسی باعث تو مِرا سانس چڑھا رہتا ہے

☆

مان لیتا ہُوں جو کرتا ہے خُدا کرتا ہے
اب مجھے کوئی یہ سمجھاؤ کہ کیا کرتا ہے

درد کا دل کو جو اک بار مزا لگ جائے
کون کافر ہے جو پھر اِس کی دوا کرتا ہے

دل بھی کچھ کرتا ہے، کچھ بس میں ہے اِس کے بھی کہ بس
تانا بانا ہی تصوُّر میں بُنا کرتا ہے

عشق کو اور بنانے کے لیے دیوانہ
حُسن عریانی کے پردے میں رہا کرتا ہے

دل تو دیوانہ ہے سمجھایئے کیا اِس کو کہ یہ
سب کی سُنتا ہے مگر اپنی کیا کرتا ہے

☆

جی کے کیا کرتا کیا نہ کرتا مَیں
مَر ہی جاتا اگر نہ مرتا مَیں

سوچتا ہُوں اگر نہ کرتا عشق
صبح کو کیسے شام کرتا مَیں

کم سے کم کرتا کارِ کاسہ و جام
ہاتھ پر ہاتھ تو نہ دھرتا مَیں

کیا گُزرتا میں لامکانی سے
خود سے ہی گر نہیں گُزرتا مَیں

عشق ہے یہ کروں تو کیا صاحب
کام ہوتا تو کر گُزرتا مَیں

☆

زندہ سا کردیا کبھی مُردہ سا کردیا
اِس زندگی نے ہم کو تماشا سا کردیا

جب چاہا کر دی روشنی آنکھوں کے سامنے
جب چاہا دل کے آگے اندھیرا سا کردیا

خود ہی کیا وجودِ برہمن کو جلوہ گر
خود ہی حرم کا آئینہ دھندلا سا کردیا

ہم ہیں بھی یا نہیں ہیں یہ ہم سوچتے رہے
جب اُس نے ہم کو دیکھا نہ دیکھا سا کردیا

ہم کون تھے کہ رکھتے دماغِ وصال و ہجر
ہم کو ترے خیال نے تنہا سا کردیا

☆

وہ جو خود سے گزر نہیں سکتا
اپنے آگے ٹھہر نہیں سکتا

جی نہیں سکتا اپنی مرضی سے
اپنی مرضی سے مَر نہیں سکتا

مَوت زندہ ہو جس کے سینے میں
آدمی وہ بکھر نہیں سکتا

بات یہ ہے کہ تُو بھی ہے انسان
مکر سے تُو مُکر نہیں سکتا

کیا غضب ہے خُدا کے ہوتے ہوئے
وہ خلا ہے کہ بھر نہیں سکتا

☆

زندگانی تباہ خود کی ہے
چاہے جانے کی چاہ خود کی ہے

کس سے شکوہ کریں بھٹکنے کا
منتخب جب یہ راہ خود کی ہے

خود ہوئے ہیں اسیرِ لیل و نہار
خواہشِ مہر و ماہ خود کی ہے

کسی منظر نے کب پُکارا ہمیں
جس طرف کی نگاہ خود کی ہے

ہنس کے رونے پہ رو کے ہنسنے پر
آہ خود کی ہے واہ خود کی ہے

☆

کرم ہُوا تو ستم مجھ کو یاد آنے لگے
خوشی مِلی ہے تو غم مجھ کو یاد آنے لگے

یہ کیا ہُوا ہے کہ اگلا قدم اُٹھاتے ہی
سفر کے پچھلے قدم مجھ کو یاد آنے لگے

ستم تو یہ ہے کہ مَیں دَیر جب بسانے لگا
تو ساکنانِ حرم مجھ کو یاد آنے لگے

بتوں کے بیچ خدا کو تلاش کرتا رہا
خدا مِلا تو صنم مجھ کو یاد آنے لگے

ہُوا جو تنہا تو جتنے تھے موجبِ تنہائی
سبھی خدا کی قسم مجھ کو یاد آنے لگے

☆

سوچتا ہُوں کہ میں اِس دُنیا میں آیا کیوں ہُوں
یعنی ہونا ہُوں تو کیوں یعنی نہ ہونا کیوں ہُوں

کون ہُوں کیا ہُوں میں ظاہر ہُوں کہ پوشیدہ ہُوں
اپنا ہی جلوہ ہُوں کیوں اپنا ہی پردہ کیوں ہُوں

کیوں مِرا چہرہ کسی اور کے چہرے میں نہیں ہے
یعنی تنہا ہُوں تو کیوں یعنی میں یکتا کیوں ہُوں

جب تماشے کا نہ آغاز نہ انجام کوئی
نہیں معلوم کہ کیوں روتا ہُوں ہنستا کیوں ہُوں

گرحقیقت کے تصوّر میں حقیقت ہے کوئی
مجھ کو اے وہم یہ سمجھا میں بھٹکتا کیوں ہُوں

☆

چین کی شکل کب دکھاتا ہے
عشق ہر حال میں نچاتا ہے

وہی عاشق ہے جس کے چہرے پر
ایک رنگ آتا ایک جاتا ہے

لوگ جلوہ سمجھ رہے ہیں جسے
دیکھیں وہ پردہ کون اُٹھاتا ہے

اُس پہ کھُلتی ہے جب حقیقتِ حُسن
عشق اِک قہقہہ لگاتا ہے

ایک ہی داستان ہر عاشق
نئے انداز سے سُناتا ہے

تب ہنساتا ہے جب رُلانا ہو
جب رُلانا ہو تب ہنساتا ہے

سب اِسی انتظار میں ہیں نویؔد
کون پہلا قدم بڑھاتا ہے

مِٹ گیا فرقِ اصل و نقل نویؔد
اِس حَسد پر تو رشک آتا ہے

☆

زباں نہ کھول ترا دل اگر دُکھا ہُوا ہے
یہ قصّہ سب نے کئی بار کا سُنا ہُوا ہے

خُدا تراش ہیں آدابِ بندگی اپنے
وہ بُت ہمارے ہی سجدے سے تو خدا ہُوا ہے

ہے حُسن وہم، حقیقت نہ کر تلاش اُس میں
یہ ڈھونڈ عشق کے پردے میں کیا چھپا ہُوا ہے

کوئی ہو مست کہ تہہ سے نکال لائے اُسے
جو علم حرف و عدد کے تلے دبا ہُوا ہے

ہے کچھ نہ کچھ تو سرِ عرش لوح پر مسطور
مِٹا ہوا ہے خدا جانے یا لکھا ہُوا ہے

دِلا نہ یاد ہمارا ہی قہقہہ ہم کو
کہ آج شام ہی سے دل بہت بُجھا ہُوا ہے

☆

چہرے سے اگر ہو کر آئینہ گُزر جائے
ممکن ہے کہ قطرے سے اک دریا گُزر جائے

اک عُمر گُزاری ہے یہ سوچتے ہر لمحہ
یہ لمحہ کٹھن ہے بس یہ لمحہ گُزر جائے

حیرت کے مُعانی بس کھُلتے ہیں اُسی دل پر
جو آئینہ خانے سے بے چہرہ گُزر جائے

آساں نہیں آپ اپنے اندر سے گُزر جانا
اِس بھیڑ سے وہ گُزرے جو تنہا گُزر جائے

یا مَیں یونہی بے پروا گُزروں ترِے کوچے سے
یا میرے برابر سے یہ دنیا گُزر جائے

☆

ریاضت کو عبادت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں
رُخِ ''ھُو'' کو ھویّت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

دکھا کر انتہائے عبد میں معبود کا جلوہ
تصّور کو حقیقت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

نہ بحثِ قطرہ و دریا نہ بحثِ ماء و تُو کوئی
ہر اک تنگی کو وسعت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

میانِ ساجد و مسجود کرکے ختم ہر اک فصل
ہر اک دوری کو قُربت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

نہیں گُزرا کوئی اب تک مگر کوئی تو گزرے گا
کہ حالِ ''ھُو'' کو حالت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

یہ سمجھانے کا کب ہے مسئلہ ہے یہ سمجھنے کا
کہ آگاہی کو غفلت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

نہ تھا کچھ بھی مِرے بس میں مرے بس میں یہی کچھ تھا
اذاں کو جو اقامت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

کھُلے گا تب یہ تجھ پر جب تِری خلوت سے گُزروں گا
کہ گمنامی کو شہرت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

یہی ترکہ ہے میرا اور یہی میری وراثت ہے
جو لکّھا ہے وصیّت سے بدل کر جا رہا ہُوں مَیں

☆

ہم اہلِ جنوں ہمراہ تِرے کچھ وقت بتانا چاہیے ہیں
کُچھ دل کی سُننا چاہتے ہیں کچھ دل کی سُنانا چاہتے ہیں

سب مَستِ شورِ من و تُو ہیں، وقفِ ہنگامئہ ہاہو ہیں
کوئی سُننے والا ہو تو ہم، خاموشی سُنانا چاہتے ہیں

رکھّو تم خود کو محوِ سفر، ڈھونڈو خود کو خود سے باہر
تم سیرِ عرش و فرش کرو، ہم آپ میں آنا چاہتے ہیں

اُکتا گئے اِس یکسانی سے، ہر اک شے کی ارزانی سے
جنّت سے تِری گُستاخ تِرے، اب باہر جانا چاہتے ہیں

یہ سادہ لوح نہ سمجھیں گے، یہ سہل پسند نہ جانیں گے
ہم اُلجھے ہوئے کیوں رہتے ہیں، ہم کیا سُلجھانا چاہتے ہیں

کیوں چہرہ زرد ہے حضرت کا کیوں آنکھیں سُرخ ہیں صاحب کی
یہ حال چُھپانا چاہتے ہیں یا حال بتانا چاہتے ہیں

اتنا کہنے کی دیر تھی بس، آندھی نے ہم کو گھیر لیا
ہم رات کی اِس تاریکی میں اک دیا جلانا چاہتے ہیں

☆

''کُن'' کا ہر راز فقط خاک نشیں جانتا ہے
کیا ہے 'بالائے فلک'، 'زیرِ زمیں'، جانتا ہے

کہیں ہنگام ہے ''ہے'' کا، ہے ''نہیں'' کا کہیں شور
وہی خاموش ہے جو ''ہے'' کہ 'نہیں' جانتا ہے

واہمہ ہے کہ گماں ہے، ہے تصّور کہ قیاس
یہ مکاں کیا ہے اِسے صرف مکیں جانتا ہے

اے حقیقت یہ تری جلوہ نمائی بھی ہے کیا
جانتا ہے کوئی شک، کوئی یقیں جانتا ہے

کاش کھُل جائے ''کہاں'' کی بھی حقیقت اُس پر
جو جہاں ہوتا ہے وہ خود کو وہیں جانتا ہے

کیسے سمجھاؤں وہ اُتنا ہی حقیقت سے ہے دُور
خود کو جو جتنا حقیقت کے قریں جانتا ہے

نقطہ و نکتۂ واحد سے جو جُڑ جاتی ہے
جاننے والا ہر اُس بات کو دیں جانتا ہے

گرچہ آتا ہے بہت شور مچانا اِس کو
دل مگر عقل کا اندوہ نہیں جانتا ہے

☆

خبر کب تھی سُلجھنے کے لیے اُلجھایا جاؤں گا
کہ راہِ راست پر لانے کو میں بھٹکایا جاؤں گا

بچھڑ جاؤں گا اپنے آپ سے اے عشق جس لمحے
اُسی لمحے مَیں اپنے آپ سے مِلوایا جاؤں گا

کیا جائے گا مُجھ کو منتشر یکسوئی کی خاطر
سمٹنے کے لیے مَیں ذات میں بکھرایا جاؤں گا

کبھی لالچ سے جنّت کی کبھی خوفِ جہنّم سے
کئی حیلے بہانوں سے یہاں بہکایا جاؤں گا

اُٹھے گا جب مِرے دل میں سوالِ رازِ تنہائی
مُجھے معلوم ہے وحشت سے میں بہلایا جاؤں گا

لگا کر گاہ سینے سے، بِٹھا کر گاہ پہلو میں
بڑی شائستگی کے ساتھ میں ٹھکرایا جاؤں گا

گُزرتی ہے ابھی یہ زندگی مردہ پرستوں میں
میں زندہ ہُوں گا جب میں خاک میں دفنایا جاؤں گا

☆

تُمھارے عشق نے دل کا وہ حال کر دیا ہے
کہ اُٹھنا، بیٹھنا میرا مُحال کر دیا ہے

نہ خطّ و خال سے آزاد کر سکا اُسے حُسن
مجھے تو عشق نے بے خدّ و خال کر دیا ہے

کہیں ٹھہرنے بھی دے مجھ کو وہمِ شعبدہ باز
ہر اِک جواب کو تُو نے سوال کر دیا ہے

مِری بلا سے خرد مند ہاتھ ملتے رہیں
مرے جنوں نے تو ممکن مُحال کر دیا ہے

نہ جانے مُجھ پہ ہر اک راہ بند کر کے نویؔد
جنوں نے کون سا رستا بحال کر دیا ہے

☆

خلش سے ہی سہی دل کو مگر آباد کرلوں مَیں
زرا سی دیر تنہائی میں خود کو یاد کرلوں مَیں

تو کیا فطرت نے مجھ کو اِس لیے بخشی ہے تنہائی
کہ اِس تنہائی سے کوئی خدا ایجاد کرلوں مَیں

توقف کر، ٹھہر، ہنگامہء دیر و حرم دَم لے
کہاں بھول آیا ہُوں خود کو زرا یہ یاد کرلوں مَیں

مِری حق گوئی نے آخر مُجھی کو کردیا تنہا
سو مَیں کیا قید کرلوں اور کیا آزاد کرلوں مَیں

حقیقت تو کسی کے ہاتھ آئی ہے نہ آئے گی
خیالِ وہم تجھ کو کس لیے برباد کرلوں مَیں

مزے تو لوں تہہِ خنجر مَیں اپنے قتل ہونے کے
تڑپ لوں، پھڑ پھڑا لوں، چیخ لوں، فریاد کرلوں مَیں

☆

''کیوں'' ہو چُکے خیال میں ہم ''کیا'' تو ہو چُکے
اب ہوں گے اور کیا کہ تماشا تو ہو چُکے

اپنی تلاش ختم نہیں ہوتی کیا کریں
ہم جستجو میں قطرے سے دریا تو ہو چُکے

کیونکر کُھلے معاملۂ جبر و اختیار
ناخواہ و خواہ مرنے کو پیدا تو ہو چُکے

اب دیکھیں لے کے جائے کہاں اضطرابِ عقل
ہم دیں شناس و واقفِ دنیا تو ہو چُکے

وہ دن نہیں ہے دُور کہ نایاب ہو رہیں
ہم ایسے لوگ دہر میں عنقا تو ہو چُکے

☆

مجنوں کو جنوں میں جہاں لیلیٰ کی پڑی ہے
"کیوں" کی ہے ہمیں فکر، ہمیں "کیا" کی پڑی ہے

یہ عقل بھی تو بُت ہی بنانے میں ہے مصروف
گر عشق میں یوسفؑ کو زلیخا کی پڑی ہے

ہے عقل جُدا حسرتِ عالمِ امکاں
اور دل کو الگ اپنی تمنّا کی پڑی ہے

اے دیدہ ورو دَیر و حرم تُم کرو آباد
ہم کو تو کسی اور ہی دُنیا کی پڑی ہے

کس وہم سے گوندھا ہے حقیقت کو خُدا نے
جس قطرے کو دیکھو اُسے دریا کی پڑی ہے

ماضی سے وہ واقف ہیں نہ ہیں حال سے آگاہ
طُرفہ یہ ستم ہے اُنھیں فردا کی پڑی ہے

☆

آخرش خود کو اِسی وعدے پہ یکجا کیا ہے
اب ارادہ نہ کروں گا یہ ارادہ کیا ہے

کون سمجھے گا مگر جزو سے کُل تک کا سفر
قطرے کو کھینچ کے کس طرح سے دریا کیا ہے

دیکھ باطن میں رُخِ لیلیٰ کو ظاہر میں نہ دیکھ
حق میں مجنوں کے بُرا کرکے جو اچّھا کیا ہے

کون سمجھے گا مِری شکل میں ظاہر ہو کر
خود ہُوا ہے کہ مُجھے اُس نے تماشا کیا ہے

بے نیازی تری کیا دے گی مجھے بدلے میں
خوف و لالچ سے نکل کر تجھے سجدہ کیا ہے

اِس تگ و دَو میں خُدا سے بھی مَیں بِچھڑا ہوں نویؔد
خود سے مِلنے کو خدا جانیے کیا کیا کیا ہے

☆

وہم نے جس جگہ امکان کا پردہ کیا ہے
کہتے ہیں اُس جگہ اللہ نے جلوہ کیا ہے

ہم نے کچھ بھی نہ کیا ہم نے بس اِتنا کیا ہے
اپنے ذمّے جو لیا کام وہ پورا کیا ہے

دل لگائیں کہ اُٹھائیں یہ بتا اے مالک
تُو نے دنیا ہے بسائی کہ تماشا کیا ہے

سادگی ہے دلِ سادہ کی کہ مجبوری ہے
درد جس نے دیا اُس کو ہی مسیحا کیا ہے

جان جو دل سے چھڑائی ہے تو اے عقل بتا
یہ بُرا میں نے کیا ہے کہ یہ اچھّا کیا ہے

اور تُو کہتا ہے آ گے ہے ابھی عالمِ ''ھُو''
بڑی مشکل سے تو اِس قطرے کو دریا کیا ہے

پالیا ڈھونڈلیا میں نے بالآخر خود کو
اے خُدا دیکھ کہاں تک تِرا پیچھا کیا ہے

عقل تو بس میں ہے کہتی ہے رہوں آپ سے دور
دل ہی بس میں نہیں ہے آپ نے یہ کیا کیا ہے

کیا تری عقل ٹھکانے پہ ہے تو ہوش میں ہے
اے جنوں تو نے پری کا جو تقاضا کیا ہے

☆

ہم ہیں درویش ہمیں اور تو کیا کرنا ہے
سب کو دینا ہے دُعا سب کا بھلا کرنا ہے

روز اُٹھنا ہے جگانا ہے مُجھے سُورج کو
اک خُدا ہے جسے ہر روز نیا کرنا ہے

تُو نہ سمجھا مُجھے حسرت کا تقاضا کیا ہے
مُجھ کو معلوم ہے اے دل مُجھے کیا کرنا ہے

وہ جو اک شخص تماشے میں نہیں ہے موجود
مجھ کو اُس شخص کا کردار ادا کرنا ہے

عالمِ "ھُو" کو مُجھے ہُوک بنا کر دل کی
جاری اِک سلسلہء بانگِ درا کرنا ہے

☆

جواب جس کا نہیں ہے ہم وہ سوال کرنے کو آ گئے ہیں
ترے گماں کا ہر ایک ممکن محال کرنے کو آ گئے ہیں

جواب کا بھی سرا نہیں ہے سوال کا بھی سرا نہیں ہے
نڈھال ہونے کو آ گئے ہیں نڈھال کرنے کو آ گئے ہیں

سوال تھا کون ہے کہ جس کی نگاہ میں ہے ہر اک زمانہ
ہم اِس زمانے میں پیش اپنی مثال کرنے کو آ گئے ہیں

کسے خبر ہے گُزر کے آئے ہیں کس اندھیرے سے روشنی تک
گُزر کے خود سے جو ''ھُو'' کا رستا بحال کرنے کو آ گئے ہیں

کمال کرتے ہر اک بشر کو نگاہِ حیرت سے دیکھتے ہیں
کہ ایک ہم ہیں جو کچھ نہ کر کے کمال کرنے کو آ گئے ہیں

قلندرانہ خیال لے کر کہ مستیِ لازوال لے کر
جہانِ حسرت میں کُن کی لَے پر دَھمّال کرنے کو آ گئے ہیں

☆

دیں کا ہے زخم اور نہ دُنیا کا زخم ہے
یوسف ہُوں میرے دل میں زُلیخا کا زخم ہے

یہ زخم عِشق کا ہے اِسے کیا بھرے گی عقل
"کیوں" کا ہے زخم اور نہ یہ "کیا" کا زخم ہے

مرہم نہیں ہے کوئی بھی اِس کا سوائے درد
جو زخم دل میں ہے وہ مسیحا کا زخم ہے

اُس دل کا زخم وقت بھلا کس طرح بھرے
جس دل میں حال و ماضی و فردا کا زخم ہے

اُس دل کا کیا علاج ہے چارہ گرو کہو
جس دل میں زخم ہی کی تمنّا کا زخم ہے

☆

ہم نے کرنے کو خیر کیا نہ کِیا
دِل کسی سے کبھی بُرا نہ کِیا

ایک ہی فیصلہ کیا ہم نے
یعنی کوئی بھی فیصلہ نہ کِیا

جب کوئی کام ہم کو حُکم لگا
ہم نے وہ کام با خُدا نہ کِیا

اِک قیامت سے ہم گُزر آئے
حشر ہم نے مگر بپا نہ کِیا

یہ قلق ہے کہ ہم نے مَر کر بھی
زندگی تیرا حق ادا نہ کِیا

عشق تھا کیا، ہُوا، ہُوا، نہ ہُوا
کام تھا کیا، کِیا، کِیا ،نہ کِیا

ساری فُرصت نچوڑ لی ''کیوں'' نے
کام ہم سے کوئی ہُوا، نہ کِیا

☆

''مَیں'' میں رہنا کسی لمحہ نہ تو ''تُو'' میں رہنا
ہے جو رہنا تو فقط حالتِ ''ھُو'' میں رہنا

یعنی پستی و بُلندی سے گُزر جانا تم
نہ تو افلاک میں رہنا نہ تو کھُو میں رہنا

یعنی ہر ہونے نہ ہونے سے گُزر جانا تم
رنگ میں رہنا نہ ہیّت میں نہ بُو میں رہنا

یعنی ''ہے'' سے بھی ''نہیں'' سے بھی گُزر جانا تم
یعنی اک مستیِ دائم کی نمو میں رہنا

ہو کے گُل حالتِ گُل سے بھی گُزر جانا تم
نہ صبا اور نہ نَسیم اور نہ لُو میں رہنا

یعنی ہو رہنا ہر اک حال میں بے سمت و مقام
سو میں رہنا کوئی لمحہ نہ بَسو میں رہنا

عالم اکبر و اصغر سے گُزر جانا تُم
حالتِ قصر میں رہنا نہ غُلو میں رہنا

عالمِ ''ھُو'' میں جنوں سے بھی گُزر جانا تم
چاک میں رہنا کوئی دَم، نہ رفو میں رہنا

''ھُو'' کے عالم سے بدل دینا ہر اک عالم کو
نہ ابھو میں، نہ جبھو میں، نہ کبھو میں رہنا

نّشہ بن جانا گُزر جانا غمِ ہستی سے
نہ صُراحی میں، نہ مَے میں، نہ سُبو میں رہنا

☆

ہے کون دَیر، کون حرم، کُچھ نہیں بچا
کیسا خدا، کہاں کا صنم، کُچھ نہیں بچا

اب ہو چکی ہے ختم ہر اک بحث ہست و نیست
وہمِ وجود، خوابِ عدم، کُچھ نہیں بچا

اب چیختا ہے دہر میں سنّاٹے کا شور
نے "تُو" نہ "میں" نہ "آپ" نہ "ہم" کُچھ نہیں بچا

جانے یہ بے دلی ہے، کہ جانے یہ بے حسی
لطفِ کرم، کہ دردِ ستم، کُچھ نہیں بچا

احساس، درد، رنج، مروّت، ملالِ، دُکھ
سب لُٹ چُکا خدا کی قسم، کُچھ نہیں بچا

☆

کُچھ کہو اور نہ کُچھ سنُو صاحب
بس کہ تصویر ہو رہو صاحب

کر رہا ہے سُکوت تُم سے کلام
ہمہ تن گوش ہو رہو صاحب

وہ خموشی ہو درمیاں اے کاش
دل کہے اور تم سُنو صاحب

ہے اگر تُم کو سَیر کی خواہش
کسی کونے سے جا لگو صاحب

نغمہ و نوحہ بے اثر ہوں جہاں
چُپ نہ ہو چیخنے لگو صاحب

پہلے کھولو تم اپنا بندِ حجاب
اک ذرا کُھل کے پھر کُھلو صاحب

حجت اپنی یہاں تمام ہُوئی
اب اُٹھو اور بس چلو صاحب

☆

خود ہی کو قتیل کر لیا خود ہی کو قاتل کرلیا
خود کو جواب دے دیا خود سے سوال کرلیا

آ اے حقیقتِ نہاں ہو کر مجاز میں عیاں
آ جا کہ اب تو مَثَل کو ہم نے مثال کرلیا

منہ کو حَرم سے موڑ کر دیر کی سمت کر کے پشت
ممکن کو اپنے واسطے ہم نے مُحال کرلیا

جلوت میں کر کے گفتگو خلوت میں کر کے غور فکر
ہونے کو اپنے واسطے ہم نے وبال کرلیا

کس کو تھی حسرتِ وصال چاہیے تھا بس اِک خیال
اور خیال در خیال ہم نے خیال کرلیا

☆

جنوں کو اِذنِ بیانِ جنوں مِلے تو سہی
سوال ہم بھی اُٹھائیں گے حشر اُٹھے تو سہی

چھُڑا کے شانہ سبھی جا رہے ہیں سوئے بقا
فنا کی کس سے مَیں پُوچھوں کوئی رُکے تو سہی

یہی کہ ہم بھی ٹھہر جائیں گے کہیں نہ کہیں
مگر کہیں کی ہمیں کوئی حَد مِلے تو سہی

وہ بھول جائے گا ہنگامہ ہائے حرف و عدد
کلامِ خامشیِ ''ھُو'' کوئی سُنے تو سہی

گُزار دیں گے اُسے ہم وُجوب و امکاں سے
ہمارے ساتھ کوئی دو قدم چلے تو سہی

قسم خُدا کی نہ اُمّید سے اُٹھاؤں گا ہاتھ
حجاب اُٹھنے کی صورت مگر بنے تو سہی

کہاں سے لاؤں مگر تابِ زخمِ ناوکِ عشق
میں دل کا گھاؤ چھُپا لوں مگر چھُپے تو سہی

بلا سے چاہے نکل آئے پھر اک اور گرہ
ابھی جو سامنے ہے وہ گرہ کھُلے تو سہی

☆

ہے کیا جو حاصلِ عُمرِ رواں سناؤں مَیں
پلک جھپکنے کی کیا داستاں سناؤں مَیں

اُنھیں کے آگے اُٹھاتا ہوں پردہ ہائے یقیں
جو چاہتے ہیں کہ اُن کو گماں سناؤں مَیں

تو کیا خموش رہوں شرحِ کارِ دل نہ کروں
تو کیا حکایتِ سود و زیاں سناؤں مَیں

یہ چاہتے ہیں حقیقت گزیدگاں مُجھ سے
زمین کی نہ کہوں ، آسماں سناؤں مَیں

یہاں مچا ہُوا دنیا و آخرت کا ہے شور
مجھے یہ فکر کہ کیا درمیاں سناؤں مَیں

نہ کیوں اُڑاؤں خود اپنی ہی بات کو ہنس کر
اگر سناؤں تو جا کر کہاں سناؤں مَیں

عجیب کام مِلا ہے کہ مہربانوں کو
بٹھا کے قصّۂ نامہرباں سناؤں مَیں

☆

نہ "میں" ہے نہ "تُو" ہے
فقط ایک "ھُو" ہے

مِرا چاک ہے تُو
تُو میرا رفو ہے

تُو خود ہی ہے خنجر
تُو خود ہی گُلو ہے

تِری جستجو تھی
تِری جستجو ہے

کہ "تُو" ہی تو "مَیں" ہے
کہ "مَیں" ہی تو "تُو" ہے

☆

کدھر جانا ہے ہم کو اور کدھر سے جا رہے ہیں ہم
خبر کیا لیں کہ خود اپنی خبر سے جا رہے ہیں ہم

پلائے جا رہا ہے وہ مئے حُجّت نگاہوں سے
اگر سے جا رہے ہیں ہم مگر سے جا رہے ہیں ہم

کوئی پُوچھے جو فرقِ دشت و در اُس کو بتائیں کیا
یہ گھر میں آ رہے ہیں ہم کہ گھر سے جا رہے ہیں ہم

نہیں ہیں ہم اگر لائق کرم کے ترس ہی کھالے
ترے دیدار کو مدّت سے ترسے جا رہے ہیں ہم

خُدایا کیا کوئی اُمّید بر آنے کو صورت ہے
دُعا سے جا رہے ہیں ہم اثر سے جا رہے ہیں ہم

☆

اپنے اندر آگاہی کا درد چھُپا کر روتا ہُوں
باہر سب کو جاہل کہہ کر گھر میں آ کر روتا ہُوں

کُچھ نہ نظر آنے کا تماشا ایک عجیب تماشا ہے
پردہ اُٹھا کر ہنستا ہُوں مَیں پردہ گِرا کر روتا ہُوں

اِس ہنسنے اور اِس رونے میں یعنی چھُپا ہے میرا راز
کچھ نہ سُنا کر ہنستا ہُوں مَیں کچھ نہ سُنا کر روتا ہُوں

میری نمازِ شب کا حجرہ میرے دَم سے ہے آباد
دیا جلا کر ہنستا ہُوں مَیں دیا بجھا کر روتا ہُوں

اپنی خوشی ہے اپنا غم ہے اپنی مستی اپنا جنوں
خود کو رُلا کر ہنستا ہُوں میں خود کو ہنسا کر روتا ہُوں

میرا نغمہ سب کا نغمہ میرا نوحہ سب کا نوحہ
سب کو ہنسا کر ہنستا ہُوں میں سب کو رُلا کر روتا ہُوں

☆

جس کو اپنا پتا نہیں ملتا
اُس کو یعنی خُدا نہیں ملتا

یہاں ملتا ہے بس اُسی کا پتا
جس کا کوئی پتا نہیں ملتا

سوچنے پر کسے کروں مجبور
کوئی حیرت زدہ نہیں ملتا

ڈھونڈنا پڑتا ہے خُدا کی قسم
بیٹھے بیٹھے خُدا نہیں ملتا

درمیاں کی نہیں کوئی صورت
یا تو ملتا ہے یا نہیں ملتا

کس طرح خود سے خود تلک پہنچوں
بھیڑ میں راستا نہیں ملتا

کھولتا کیسے اپنے دل کی گرہ
گر وہ بندِ قبا نہیں ملتا

☆

تو کیا یہ سَر نہیں پھوڑو گلا نہ کٹواؤ
جہانِ دیر و حرم چھوڑ کر کہاں جاؤ

وہ راستی بھی ہے کیا عقل کو جو کُند کرے
کرے جو ذہن کُشادہ وہ گُمرہی لاؤ

کسی کا حُسن ہے کہتا جھکاؤ نظروں کو
کسی کا حُسن ہے کہتا پلک نہ جھپکاؤ

لہو پیو جو نہ اپنا تو کیا پیو صاحب
جگر نہ کھاؤ جو اپنا تو اور کیا کھاؤ

ہر اک دلیل کیے جا رہا ہے قطع نویؔد
خُدا کے واسطے مُنہ اِس کا بند کرواؤ

☆

بکھیر دیتی حیات اور بکھر ہی جاتا مَیں
اگر تُو زہر نہ دیتا تو مَر ہی جاتا مَیں

ستم تو یہ ہے کہ مَیں وقت بھی نہیں یارب
ٹھہر ہی جاتا وگرنہ گزر ہی جاتا مَیں

ستم یہ ہے مَیں خود اپنا خلا ہُوں سینے میں
جو زخم ہوتا تو مرہم سے بھر ہی جاتا مَیں

اگر فریب نہ دیتے یہ بام و در مجھ کو
کہیں نکلتا نہیں گھر سے گھر ہی جاتا مَیں

پسِ خبر نہیں ملتی جو مجھ کو بے خبری
تری خبر کی قسم بے خبر ہی جاتا مَیں

☆

بس یہی ایک کام کرتے ہیں
صبح کو روز شام کرتے ہیں

کرتے ہیں دستِ حُسن پر بیعت
دل کو اپنا امام کرتے ہیں

دل میں اب کچھ نہیں سوائے خلش
یہ بھی ہم تیرے نام کرتے ہیں

صاحبانِ نمود و نام کو ہم
دُور ہی سے سلام کرتے ہیں

جانتے ہیں جو قدر و قیمتِ وقت
کچھ نہیں کرتے کام کرتے ہیں

آپ کرتے ہیں شاعری مانا
اور بھی کوئی کام کرتے ہیں

چِھڑ گیا تارِ سازِ نغمۂ ’’ھُو‘‘
گفتگو کو تمام کرتے ہیں